وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر سرپرستی

امین احسن اصلاحی

مدیر مسؤل

اسرار احمد

جلد ۱۶ | اپریل ۱۹۶۹ء | عدد ۴

تذکرہ و تبصرہ ★ (مارشل لاء کے نفاذ کے پیش نظر شامل نہیں کیا گیا)

تدبر قرآن ★ تفسیر سورۃ الانعام (۴) مولانا امین احسن اصلاحی - ۱۷

مقالات ★ اقامت دین کے لئے انبیاء کا طریق کار " " - ۳۳

★ اسلامی تحقیق (۲) ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے۔پی ایچ ڈی۔ڈی لٹ - ۳۹

★ فلسفہ و مذہب پروفیسر یوسف سلیم چشتی - ۵۷

★ باب وصف الکبر (۲) ماخوذ از کتاب الرعایہ (ترجمہ) " " - ۶۳

متفرقات ★ فہرست مضامین میثاق فروری ۱۹۶۲ء تا اکتوبر ۱۹۶۵ء - ۷۷

یکے از مطبوعات

دارالاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔۱ (فون 69522)

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No: L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 16 | APRIL 1969 | No.4

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اول مشتمل بر

مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ ، سورۃ فاتحہ ، سورۃ بقرہ و سورۃ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹/۸ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصول ڈاک : ڈھائی روپے)

(بتیس روپے پچاس پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

دارالاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ 1 فون نمبر 69522

(سول ایجنٹ برائے بھارت : کتب خانہ الفرقان ، کچہری روڈ ۔ لکھنؤ)

پبلشر : محی الدین ، طابع : محمد طفیل سالک نقوش پریس اردو بازار لاہور

ماہنامہ میثاق لاہور

قواعد و ضوابط

* میثاق ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔
* پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہو جانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

شرائط ایجنسی

* ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے
* پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا۔
* کمیشن ۲۵ فی صد۔ محصولڈاک بذمہ میثاق۔

زر تعاون

* قیمت فی پرچہ ایک روپیہ
* سالانہ زرتعاون دس روپے
* مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک بیس روپے

نرخنامہ اشتہارات

ٹائیٹل کا آخری صفحہ 7"×5" : ۱۲۵ روپے
ٹائیٹل کے اندرونی صفحات : 8½"×5" : ۱۰۰ روپے
(ان کے لیے بلاک مہیا کیجئے ورنہ ٹائپ کی طباعت ہوگی)
اندرونی صفحات : فی صفحہ ۵۰ روپے نصف صفحہ ۳۰ روپے

دارالاشاعت الاسلامیہ
کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور-1 (فون 69522)

ہندوستان کے خریدار
مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقم ارسال کر کے ہمیں مطلع فرمائیں۔
۱۔ دفتر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ۔ ۲۔ دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ انعام

۱۰- آگے کا مضمون، آیات ۶۸-۷۳

آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی طرف التفات ہے کہ جو ضدی اور ہٹ دھرم لوگ بات سننا چاہتے ہی نہیں ان کے زیادہ درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب دیکھو کہ یہ لوگ کج بحثیوں اور استہزا پر اتر آتے ہیں تو اُن کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ، صرف اسی وقت ان کے سامنے کوئی بات پیش کرو جب وہ کچھ سننے سمجھنے کے موڈ میں نظر آئیں۔ تمہاری ذمہ داری تبلیغ و تذکیر تک محدود ہے۔ تم ان کے ایمان کے ذمہ دار تو ہو نہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان اتار ہی دو۔ اُن کی نت نئی فرمائشوں کی بھی پروا نہ کرو۔ بس اسی قرآن کے ذریعہ سے حق نصیحت ادا کرو کہ جس کو سنبھلنا ہو سنبھل جائے، اپنے عمل کی پاداش میں مارا نہ جائے۔ خدا کے ہاں نہ کسی کی حمایت و سفارش کام آنی ہے اور نہ کوئی معاوضہ پیش کرنے کی گنجائش ہوگی۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی ہدایت پا جانے کے بعد شرک کی حیرانی و سرگشتگی میں پڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے حوالے کرنے، اسی کی نماز پڑھنے اور اسی سے ڈرتے رہنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو اسی کے حوالے کر دیا ہے، جس کا جی چاہے یہ راہ اختیار کرے، ورنہ جہاں چاہے بھٹکتا پھرے۔ مطلب یہ ہے کہ اب اس معاملے میں کسی بحث و جدال کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اپنے مذہب و مسلک کا واضح طور پر اعلان کیے دیتے ہیں۔

آخر میں اس کا اعادہ کہ کائنات کے 'بالحق' ہونے کی طرف اشارہ فرمایا جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت لازماً آنی ہے، اس دن خدا ہی کے اختیار میں فیصلہ ہوگا۔ وہ حکیم و خبیر ہے۔ اس دن حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا سب پر واضح ہو جائے گا، اس وجہ سے یہ نہیں سنتے تو ان کا معاملہ اسی دن پر چھوڑو ——— اس روشنی میں

آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾ قُلْ أَنَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۱﴾ وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوهُ ۚ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۷۳﴾

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں میں میکھ نکالتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں۔ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اُن پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بس یاد دہانی کر دینا ہے تاکہ وہ بھی ڈریں۔

ان لوگوں کو چھوڑو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے یاد دہانی کرو کہ مبادا کوئی جان اپنے کیے کی پاداش میں ہلاکت کے حوالے کی جائے۔ اللہ کے آگے نہ اس کا کوئی کارساز ہوگا نہ سفارشی اور اگر وہ ہر معاوضہ بھی دے تو بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے کیے کی پاداش میں ہلاکت کے حوالے کیے جائیں گے۔ ان کے لیے کھولتا پانی پینے کو اور ایک دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی پاداش میں۔ ۶۸-۷۰

کہہ دو، کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پکاریں جو نہ تو ہمیں نفع پہنچاتی ہیں نہ نقصان اور ہم پیٹھ پیچھے پھینک دیئے جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی ہے، اس شخص کے مانند جس کو شیطانوں نے بیابان میں سرگشتہ وحیران چھوڑ دیا ہو، اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہماری طرف آجا۔ کہہ دو اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم اپنے آپ کو عالم کے رب کے حوالہ کریں۔ اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کے حضور تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے غایت کے ساتھ۔ جس دن کہے گا ہو جا تو ہو جائے گا۔ اس کی بات شدنی ہے۔ اور اسی کی بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ غائب و حاضر سب کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے۔ ۷۱-۷۳

۱۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ۶۸-۷۰

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ الآیہ 'خوض' کے معنی کسی چیز میں گھس جانے کے ہیں۔ 'خاض الماء' وہ پانی میں گھس گیا۔ اسی سے 'خوض فی الحدیث' کا محاورہ نکلا جس کے معنی ہیں بات میں سے بات نکالنا، بال کی کھال ادھیڑنا، کسی بات میں اعتراض، نکتہ چینی اور کٹ حجتی کے نئے نئے پہلو پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اسی طرح کی سخن گستری کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا مقصد کسی بات کو ہنسی دل لگی اور مذاق میں اڑا دینا ہو۔ مثلاً وَلَئِن

سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۶۵ (اگر تم ان سے پوچھو تو جواب دیں گے ہم تو بس ذرا سخن گستری اور مشغول کر رہے تھے) یہاں بھی آگے والی آیت وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا' میں لفظ ہی اس حقیقت کو کھول دیا ہے اس لئے کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی میں 'خوض' کرتے ہیں۔ گویا 'خوض' کے بعد اس کا مقصد واضح کر دیا گیا ہے۔ قرآن نے سورۂ نساء میں اس خوض کی تفسیر بھی فرما دی ہے۔ چنانچہ اسی آیت کا حوالہ دے کر، جیسا کہ ہم تفسیر سورہ نساء میں واضح کر چکے ہیں، وہاں فرمایا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۔ (۱۴۰ - نساء)

(اور وہ قرآن میں تمہیں یہ ہدایت دے چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں) یہاں بھی خوض کی وضاحت اللہ کی آیات کے کفر اور ان کا مذاق اڑانے سے کی گئی ہے۔

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت ؐ سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت ؐ کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ اشارۃً آگے بتا بھی دیا ہے کہ یہ خطاب معناً عام ہی ہے۔ چنانچہ بعد والی آیت میں یہ جو فرمایا کہ "وما علی الذین یتقون من حسابھم من شیء" کہ خدا سے ڈرنے والوں پر ان کافروں کے کفر و ایمان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس نے اس خطاب کے پہلو کو واضح کر دیا کہ خطاب بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں سے ہے۔ پھر سورہ نساء کی اس آیت میں، جس کا حوالہ اوپر گزرا، صاف لفظوں میں بتا دیا کہ یہ خطاب عام ہی ہے۔ اس لئے کہ وہاں سورۂ انعام کی اسی ہدایت کی بنا پر ان لوگوں پر گرفت فرمائی جنہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔

اس ہدایت کے دو پہلو ہیں اور دونوں نہایت اہم ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ رویہ اس حکمتِ دعوت کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تبلیغ کے لیے پسند فرمائی ہے۔ جس وقت کسی گروہ پر کسی چیز کی مخالفت، اس کی تضحیک اور اس کی تردید کا بخار چڑھا ہوا ہو اور بخار کی شدت سے مریض کی کیفیت ہذیانی ہو رہی ہو عین اسی حالت میں اس کے سامنے اسی چیز کو پیش کرنا گویا اس کے بخار اور ہذیان دونوں کو مزید بڑھا دینا ہے۔ اگر کوئی معالج مریض کی بیماری کو اور بڑھانا چاہتا ہو تو وہ تو آزاد ہے جو چاہے کرے لیکن کوئی مہربان طبیب جو مریض کی صحت کا خواہاں ہے وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ اسی رعایت احوال کے پیش نظر یہاں مسلمانوں

کو ہدایت ہوئی کہ جب تم دیکھو کہ یہ اسلام کے مخالفین قرآن کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے، طنز و تضحیک کے ترکش سنبھالے ہوئے اور مخالفت کے لئے آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں تو اس وقت طرح دے جاؤ اور کسی ایسے وقت کا انتظار کرو جب یہ بحرانی کیفیت ذرا دور ہو جائے تو اس وقت ان کو سنانے اور سمجھانے کی کوشش کرو۔

دوسرا یہ کہ یہ اس غیرتِ حق کے منافی ہے جو اہلِ ایمان کے اندر ہوتی ہے یا ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یا گروہ علانیہ خدا اور رسول کے خلاف بکواس کرتا ہے تو اس سے لڑنا بھی ایک داعی کے لیے غلط، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور خاموش رہنا بھی غلط، اس لئے کہ اس سے وہ حمیت حق مجروح ہوتی ہے جو علامت ایمان ہے اور جس کا ضعف بالآخر درجہ بدرجہ آدمی کو اس نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے جس میں مبتلا ہو جانے کے بعد اللہ، رسول، قرآن اور شریعت ہر چیز کی توہین و تذلیل وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا ہے لیکن اس کو ایسا سانپ سونگھ جاتا ہے کہ زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ہدایت کے اندر یہ دونوں ہی پہلو ملحوظ ہیں۔ پہلا تو سیاق کلام ہی سے واضح ہے اور دوسرے کو قرآن نے سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں واضح فرما دیا اس پہلے کی ہی ہدایت کا حوالہ دے کر وہاں منافقین پر گرفت فرمائی ہے کہ یہ لوگ مخالفین اسلام کی ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں جہاں اللہ کی آیات کا علانیہ مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ ان کو قرآن میں اس سے روکا جا چکا ہے۔

'آیات' سے مراد یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کی آیات ہیں اس لئے کہ جن لوگوں کا حال یہ بیان ہو رہا ہے ان کے سامنے قرآن ہی پیش کیا جا رہا تھا اور وہ اسی کو مذاق بنا رہے تھے لیکن یہی حکم بعینہٖ ساری شریعت اور اس کے سارے احکام کا ہو گا۔ شریعت کا مذاق جہاں بھی اڑایا جائے وہاں بیٹھنا بے غیرتی اور اس پر راضی رہنا نفاق اور کفر ہے۔

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"۔ یہ اوپر والی ہدایت کی تاکید مزید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی شیطان اس بات سے غافل ہی کر دے تو یاد آ جانے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اس تاکید کی ضرورت اس لیے محسوس کر بسا اوقات آدمی کسی مجلس میں جا بیٹھتا ہے اور وہاں بات بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ دین و شریعت کے استہزا تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں آدمی محسوس تو کرتا ہے کہ اب یہ جگہ بیٹھنے کی نہیں رہی لیکن خیال کرتا ہے کہ بھری مجلس سے کس طرح اٹھ کر چلا جائے۔ یا اگر مناظر قسم کا ہوتا ہے تو یہ خیال کرتا ہے کہ اب میدان چھوڑ کر کس طرح وہاں سے ہٹ جائے، حریف کیا کہے

گا۔ یہ دونوں ہی خیال آدمی کے لیے فتنہ ہیں۔ اگر مجلس کا پاس و لحاظ مانع ہے تو یہ قلت غیرت کی دلیل ہے۔ آدمی سوچے کہ اگر اس کے منہ پر اس کے باپ کو گالی دی جائے تو کیا وہ اس کو خاموشی سے گوارا کرے گا تو خدا اور اس کی شریعت کا حق تو ماں باپ بلکہ تمام دنیا جہان سے بڑا ہے۔ اور اگر وہ بحث و مناظرہ کے لئے وہاں جما رہے تو گو اس کی نیت احقاق حق اور ابطال باطل ہی کی ہو لیکن جب اُن لوگوں کے ذہن خراب ہو چکے ہیں جن کو بات سنانی ہے اور ان کو سنانا ان کو مزید اشتعال دلانے کے مترادف ہے تو اس کا ایسے لوگوں کے ساتھ الجھنا صرف مونچھ کی لڑائی بن کر رہ جائے گا، مقصد حق کو اس سے نہ صرف یہ کہ کوئی تقویت نہیں پہنچے گی بلکہ الٹے اس سے شدید قسم کا نقصان پہنچے گا۔ اس وجہ سے صحیح روش یہی ہے کہ آدمی اس کو شیطان کا چکمہ سمجھے اور ایسی مجلس سے کان جھاڑ کے اٹھ آئے۔

یہ بات یہاں یاد رہے کہ 'اما ینسینک الشیطان' کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر کبھی شیطان کسی چکر میں ڈال کر ایسی صورت حال سے دوچار کرا ہی دے یا ایسے ظالموں سے بھڑا ہی دے تو تمہیں یہ رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ اوّل تو آدمی برابر چوکنا رہے کہ شیطان اس کو اس طرح کے فتنہ میں ڈالنے نہ پاوے لیکن اگر وہ کہیں اللہ کی اس ہدایت سے غافل کرکے کسی فتنے میں ڈال ہی دے تو آدمی متنبہ ہوتے ہی ایسی مجلس کو سلام کرے اور وہاں سے چل دے۔ اس لیے کہ جو لوگ اللہ کی آیات کا مذاق اڑائیں وہ اپنی جانوں پر سب سے بڑا ظلم ڈھانے والے ہیں اور اُن کی معیت معلوم نہیں خدا کے کس غضب میں مبتلا کردے۔

'وما علی الذین یتقون من حسابھم من شیئ ولکن ذکری لعلھم یتقون'۔ یہ مسلمانوں کو تسلی اور تبلیغ دین کے معاملے میں اس نقطۂ اعتدال اور طریقۂ حکمت کو اختیار کرنے کی تلقین ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان کے اوپر ان کافروں اور ظالموں سے متعلق جو ذمہ داری ہے وہ صرف اللہ کی دعوت اور اس کے دین کو پہنچا دینے کی ہے تاکہ جس طرح وہ خدا سے ڈرنے والے ہیں اسی طرح یہ کفار بھی خدا سے ڈرنے والے بن جائیں۔ اُن کے کفر و ایمان کی کوئی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں ہے۔ یہ اگر ایمان لائیں گے تو اس کا صلہ خود پائیں گے اور اگر کفر پر اڑے رہیں گے تو قیامت کو اللہ کے حضور جواب دہ خود بنیں گے۔ مسلمانوں سے جب کہ انہوں نے خدا سے ڈرتے رہنے کا حق ادا کیا، کوئی مواخذہ ان سرکشوں کے باب میں نہیں ہوگا کہ یہ لوگ خدا سے ڈرنے والے کیوں نہ بنے؟ خدا کے ہاں کوئی شخص کسی دوسرے کی ذمہ داریوں سے متعلق مسئول نہیں ہوگا۔ خدا سے ڈرنے والوں پر جو ذمہ داری دوسروں

کے باب میں عاید ہوتی ہے وہ صرف تبلیغ و تذکیر کی ہے اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے یہ کافی ہے کہ اہل ایمان جب دیکھیں کہ کوئی سازگار موقع ان کے کانوں میں بھی بات ڈال دینے کا ہے تو ان کو اللہ کی بات پہنچا دیں۔ اپنے آپ کو ان کی ہدایت و ضلالت کا مسئول سمجھ کر ان کے تعاقب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مضمون سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۵۔ 'یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الایۃ' کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

اس آیت سے کئی باتیں واضح ہوئیں جو ذہن میں رکھنے کی ہیں۔

ایک یہ کہ اوپر والی آیت میں خطاب اگرچہ بصیغۂ واحد تھا لیکن کلام کا رخ تمام مسلمانوں کی طرف تھا۔ چنانچہ کلام کے تدریجی ارتقاء سے یہ حقیقت خود واضح ہو گئی اور یہی قرآن کا معروف اسلوب ہے۔

دوسری یہ کہ اس سے اس جوش دعوت و تبلیغ کا اظہار ہوا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر پایا جاتا تھا۔ آیت سے صاف مترشح ہو رہا ہے کہ صحابہؓ کو شہادت حق کی ذمہ داری کا اتنا شدید احساس تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر لوگوں نے ہدایت نہ قبول کی تو شاید آخرت میں یہ اُن کی کوتاہئ خدمت میں محسوب ہو۔

تیسری یہ کہ اس سے دعوت و تبلیغ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آیت سے صاف واضح ہے کہ اہل ایمان سے یہ مواخذہ تو نہیں ہوگا کہ لوگوں نے ہدایت قبول کیوں نہیں کی لیکن یہ مواخذہ ان سے ہوگا کہ انہوں نے لوگوں کو تذکیر و تبلیغ کی یا نہیں۔

'وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیوۃ الدنیا'

'دین' سے مراد یہاں وہ دین ہے جو اللہ نے ان کے لئے اتارا تھا اور جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ان لوگوں کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسے شامت زدہ ہیں کہ جس چیز کو اللہ نے ان کے دین کی حیثیت سے اتارا ہے اس کا مذاق اڑائیں ان سے کس خیر کی امید رکھتے ہو؟ ان کو چھوڑو، ان کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔ بازی بازی بار یش بابا ہم بازی! جو لوگ زندگی کے معاملہ میں اتنے غیر سنجیدہ، اتنے بے فکرے اور ایسے لاابالی ہیں کہ دین کو بھی وہ اپنے مسخرا پن کا موضوع بنا لیں ان کو مطمئن کرنے کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

'وغرتھم الحیوۃ الدنیا' یہ ان کی اس ساری شرارت کے اصل سبب سے پردہ اٹھایا ہے کہ اصل چیز جس نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے وہ تو اس دنیا کی، ان کے زعم کے مطابق، وہ کامیاب زندگی ہے جو ان کو حاصل ہے اور جس میں وہ مگن ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کھا رہے ہیں، عیش کر رہے ہیں اور دندنا رہے ہیں اور کہیں سے ان کے اطمینان میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اگر ان کی زندگی

غلط ہے، جیسا کہ قرآن کہہ رہا ہے تو پھر وہ تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے؟ اور جب وہ یہاں مسلمانوں سے بہتر حالت میں ہیں تو بالفرض موت کے بعد اٹھنا ہی ہوا تو آخر وہ آخرت میں کیوں اچھے نہیں رہیں گے؟ ان کا اصل مغالطہ یہی ہے کہ جب ہماری زندگی کامیاب ہے تو ہمارا رویہ بھی لازماً صحیح ہے۔ وہ اسی دنیا کی زندگی کو کل زندگی سمجھے بیٹھے ہیں اور یہ زندگی چونکہ جزا و سزا کے اصول پر نہیں چل رہی ہے بلکہ امتحان و آزمائش کے اصول پر چل رہی ہے، یہاں حق کے ساتھ خدا نے باطل کو بھی ڈھیل دے رکھی ہے، اس وجہ سے وہ اپنی خواہشوں کی پیروی میں باطل ہی کو اپنا دین بنا بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی زندگی اور یہی رویہ صحیح ہے اور قرآن ان کو جس انجام سے خبردار کر رہا ہے وہ محض ایک موہوم ڈراوا ہے۔

'وذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت'۔ 'بہ' میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے جس کا اوپر آیت ۶۶ میں ذکر ہے۔ 'ابسلہ' 'اسلمہ للہلکۃ' اس کو ہلاکت کے حوالہ کیا۔ 'ابسل فلاناً لعملہ وبہ وکلہ الیہ'۔ فلاں کو اس کے عمل کے حوالہ کر دیا۔ 'ان' سے پہلے عربی زبان کے معروف قاعدے کے مطابق مضاف لفظ 'مخافۃ' یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ محذوف ہے۔ اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرو، نہ ہو کہ کوئی جان اپنے عمل کی پاداش میں ہلاکت کے حوالے کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اس قرآن کے ذریعے سے یاددہانی کرو، نہ ہو کہ کوئی جان اپنی کرتوت کے حوالہ کی جائے یا اپنی کرتوت کے بدلے رہن ہو کے رہ جائے۔ دونوں میں حقیقت کے اعتبار سے کچھ زیادہ فرق نہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دین کو مذاق بنائے ہوئے ہیں نہ زیادہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ان کے نت نئے مطالبات کے لئے فکرمند ہونے کی۔ بس اسی قرآن کے ذریعہ سے اپنا فرض تذکیر و تبلیغ جو تم پر عائد ہوتا ہے ادا کرتے رہو کہ کوئی جان اپنے عمل کی پاداش میں گرفتار عذاب نہ ہو۔ تمہارا فریضہ لوگوں کو اس خطرے سے آگاہ کر دینا ہے کہ آگے کی منزل میں ہر ایک کو اپنے عمل سے سابقہ پیش آنا ہے۔ عمل ہی ہلاک کرے گا اور عمل ہی نجات دے گا۔ نہ کوئی کسی کا حامی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع و سفارشی اور نہ کسی کے پاس کوئی معاوضہ دینے کو ہوگا اور نہ کسی کا کوئی بڑے سے بڑا معاوضہ قبول ہوگا۔ اس خطرے سے آگاہ کر دینا ضروری ہے تاکہ کوئی بے خبری میں اپنے ہی عمل کی گرفت میں نہ آ جائے۔ اس آگاہی کے بعد اگر کوئی خود اپنی شامت اعمال میں گرفتار ہونا چاہتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے، تم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو۔ جو لوگ اس آگاہی کی پروا نہیں کریں گے وہ اپنی کرتوتوں کے حوالے ہوں گے اور ان کے کفر کی پاداش میں ان کے لئے کھولتا پانی پینے کو اور عذاب دردناک ہوگا۔

'کھولتے پانی' کا ذکر یہاں بطور 'نزل' یعنی اولین سامان ضیافت کے ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ

اس کی تصریح ہے وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۹۲-۹۳ واقعہ (اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا تو اس کے لیے اولین سامان ضیافت کھولتا پانی ہوگا۔) یعنی وہاں ان کی پہلی ضیافت تو ان [illegible] سے ہوگی پھر اس کے بعد ان کے لیے عذاب الیم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

'وان تعدل کل عدل' کا مدعا سمجھنے کے لیے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قیامت کے دن مجرمین یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے خاندان اور ساری دنیا کو فدیہ میں دے کر اس عذاب سے چھوٹ جائیں۔ لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو آیات ۱۱-۱۴ سورۂ معارج۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۗ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۗ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ۗ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ۷۱-۷۳

'قل اندعوا ...... بعد اذ ھدٰنا اللہ' اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرایا کہ یہ لوگ جو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ تمہیں پھر اسی گمراہی میں پھنسا دیں جس سے خدا نے تمہیں نکالا ہے تو تم ان کو صاف صاف سنا دو کہ کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پکاریں جن کو نہ ہمیں نفع پہنچانے پر کوئی اختیار نہ ضرر پہنچانے پر؟ اور اس طرح ہم الٹے پاؤں پھر اس گمراہی میں جا گریں جس سے خدا نے ہمیں نکلنے کی توفیق بخشی اور ہماری رہنمائی فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے ہم اس گمراہی میں مبتلا رہے تو اس کے لیے کچھ عذر تھا لیکن اب اگر ہم رجعت اختیار کریں گے تو ہمارے پاس کیا عذر ہوگا؟

'ما لا ینفعنا ولا یضرنا' میں ان معبودوں کے لئے 'ما' کا لفظ ان کی تحقیر پر دلیل ہے اور نفع و ضرر کی نفی اصل حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں میں سے اگر کسی چیز سے نفع و ضرر پہنچتا ہے تو اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے نہ کہ ان میں سے کوئی چیز بذات خود یا باختیار خود نافع و ضار ہے۔

'بعد اذ ھدٰنا اللہ' مخاطبوں کے لیے نہایت پرحکمت بھی ہے کہ اس آفتاب ہدایت کے طلوع ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ خود ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی ٹھوکریں کھلانا چاہتے ہیں وہ ذرا

اپنے انجام پر غور کریں۔

'کالذی استھوتہ الشیاطین فی الارض حیران لہ اصحاب یدعونہ الی الھدی ائتنا' 'استھواء' کے معنی کسی کی عقل گم کر دینا، ہوش اڑا دینا، حیران و درماندہ کر دینا۔ 'ارض' کے معنی یوں تو زمین کے ہیں لیکن یہاں گم گشتگی کی تمثیل بیان ہو رہی ہے اس وجہ سے قرینہ بتا رہا ہے کہ اس سے مراد صحرا اور بیابان ہے جہاں راہ بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ فعل 'استھواء' کی نسبت شیاطین کی طرف اس مفہوم کے اعتبار سے ہے جو تمثیل میں مضمر ہے۔ یہ تمثیل ایمانی و اخلاقی گم گشتگی کی ہے جس میں زیادہ دخل شیاطین جن و انس کا ہوتا ہے اس وجہ سے فعل کی نسبت شیاطین کی طرف کر کے اصل حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا۔ 'ھدیٰ' کے معنی تفسیر سورہ بقرہ کے آغاز میں ہم بتا چکے ہیں کہ سیدھی راہ کے بھی آتے ہیں۔

یہ اوپر والے ٹکڑے 'و نرد علیٰ اعقابنا بعد اذ ھدانا اللہ' کی تمثیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت الٰہی کی شاہراہ پانے کے بعد اگر ہم تمہارے کہے پر چلے اور مڑ کے اسی کفر و شرک میں پھر مبتلا ہو گئے جس سے خدا نے ہمیں نکالا ہے تو ہماری مثال بالکل اس شخص کی ہو گی جس کو شیاطین نے کسی صحرا میں بھٹکا دیا ہو، وہ حیران و درماندہ ادھر ادھر پھر رہا ہو، اس کے کچھ ساتھی اس کو پکار رہے ہوں کہ راستہ ادھر ہے، ہماری طرف آ جاؤ لیکن اس کی عقل ایسی گم ہو کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو کہ کدھر جائے۔

اس تمثیل کا اسلوب اگرچہ بظاہر ایک عمومی تمثیل کا ہے لیکن غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ فی الحقیقت یہ ان مخالفین اسلام کی تمثیل ہے جو یہاں زیر بحث ہیں۔ اس تمثیل میں ان کے سامنے یہ بات رکھی گئی ہے کہ تم صحرا میں بھٹکتے ہوئے مسافر کی مانند ہو، شیاطین اور گمراہ لیڈروں نے تمہاری مت مار دی ہے اور تمہارے کچھ راہ یاب ساتھی (اشارہ اہل ایمان کی طرف ہے) تمہیں اصل راہ کی طرف بلا رہے ہیں لیکن تم ان کی پکار سن نہیں رہے ہو ——— دیکھئے کس خوبی کے ساتھ ان کی پوری تصویر ان کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ حکایت بظاہر دوسروں کی لیکن بات ساری کی ساری ان کی!۔

'قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ'۔ یعنی ان کو بتا دو کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے تو اللہ کی ہدایت پا جانے کے بعد اب ہم کسی اور طریقے کی پیروی کس طرح کر سکتے ہیں؟

'وامرنا لنسلم لرب العالمین' یہ مشرکین کی دعوت شرک کا جواب ہے کہ تم ہمیں ان چیزوں کی پرستش کی دعوت دے رہے ہو جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں اور حکم ہمیں اللہ رب العالمین کے آگے سرفگندگی و حوالگی کا ہوا ہے۔ یہاں لفظ 'امر' کے بعد 'ل' اس امر کے

موکد ہونے کو ظاہر کر رہا ہے اور 'رب العالمین' کی صفت اس امر موکد کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی تمام عالم کا رب ہے تو اس کے سوا کون حقدار ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے حوالہ کیا جائے۔

'وان اقیموا الصلوٰۃ واتقوہ وھو الذی الیہ تحشرون' یہ 'امرنا لنسلم لرب العالمین' کے تحت اور اسی کی عملی تصویر ہے لیکن اسلوب غائب سے بدل کر حاضر کا کر دیا گیا ہے جس سے اس کے اندر براہ راست خطاب کا زور پیدا ہو گیا ہے۔ نماز کا ذکر یہاں اس اسلام کے اولین عملی مظہر کی حیثیت سے ہوا ہے جس کا ذکر 'و امرنا لنسلم لرب العالمین' میں ہے۔ 'تقویٰ' یہاں ان تمام حدود کی پابندی کے مفہوم میں ہے جن کی پابندی کا خدا نے حکم دیا ہے 'والیہ تحشرون' میں آخرت اور توحید دونوں چیزیں جمع کر دی گئی ہیں اور یہ اوپر والے احکام کی دلیل ہے کہ نماز کا قیام اور حدود الٰہی کا احترام اس لئے لازم ہے کہ ایک دن خدا کے آگے حاضر ہونا ہے اور صرف اسی کے آگے حاضر ہونا ہے۔ اس دن کوئی اور مرجع و مولیٰ نہیں ہو گا۔ 'وھو الذی خلق السموات والارض بالحق الایۃ' یہ ایک نہایت جامع آیت ہے جس میں نہایت مختصر الفاظ میں اوپر والے ٹکڑے 'ھو الذی الیہ تحشرون' کے ہر جزو کی دلیل بیان ہو گئی ہے۔

آسمان و زمین میں خالق کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کے جو آثار و دلائل موجود ہیں وہ اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ یہ کارخانہ کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے جو اس نے محض اپنا جی بہلانے کے لیے بنایا ہو بلکہ یہ ایک قدیر، علیم، حکیم اور رحمان و رحیم ذات کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ اگر یہ یونہی چلتی رہے، اس کے اندر جو ظلم ہے اس کے انصاف کے لیے کوئی دن نہ آئے، جو عدل ہے اس کی داد کا کوئی وقت نہ آئے، اس کے اندر جو بڑے، شریر اور نابکار ہیں ان کو کوئی سزا نہ ملے، جو نیک، حق شناس اور عدل شعار ہیں ان کو ان کی نیکیوں کی جزا نہ ملے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ سارا کارخانہ بالکل عبث، بے غایت اور باطل ہے جس کے بنانے والے کے نزدیک خیر اور شر، ظلم اور عدل، حق اور باطل میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ یہ بات انسان کی عقل و فطرت کسی طرح بھی قبول نہیں کر سکتی اس لیے کہ جس خالق کی خلقت کے ہر گوشے میں اس کی حکمت، قدرت، رحمت اور ربوبیت کے آثار موجود ہیں اور اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ انسان کسی طرح ان کا احاطہ نہیں کر سکتا اس کی نسبت وہ کس طرح یہ باور کرے کہ اس کو ہماری نیکی بدی اور ہمارے عدل و ظلم سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اگر بحث ہے اور ضرور بحث ہے اس لیے کہ یہ بحث نہ ہو تو یہ دنیا بالکل کھیل بلکہ نہایت ظالمانہ کھیل بن کے رہ جاتی ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اس

دنیا کے لیے ایک یوم انصاف آئے جس میں خدا کی کامل رحمت اور اس کی کامل حکمت ظاہر ہو اور ہر نیکی اپنا صلہ پائے اور ہر بدی اپنی سزا۔

'ویوم یقول کن فیکون، قولہ الحق' یعنی کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ اس دن کے لانے میں خدا کو کوئی دشواری پیش آئے گی۔ جس نے یہ دنیا مجرد اپنے حکم 'کن' سے بنائی ہے وہ جب حشر برپا کرنا چاہے گا تو اسی کلمۂ 'کن' سے حشر بھی برپا کر دے گا۔ آخر جب اس کو پہلی بار دنیا کے پیدا کر دینے میں کوئی زحمت نہیں پیش آئی تو دوبارہ کیوں پیش آئے گی؟ 'قولہ الحق' میں 'حق' کے معنی شدنی کے ہیں۔ یعنی خدا کی ہر بات ہو کے رہتی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی۔

'ولہ الملک یوم ینفخ فی الصور' یعنی جس دن حشر کے لئے صور پھونکا جائیگا اس دن سارا اختیار اور ساری بادشاہی صرف خدائے واحد و قہار ہی کی ہو گی۔ اس دن نہ کسی کا کوئی زور چلے گا، نہ کسی کو کوئی اختیار حاصل ہو گا، نہ کسی کی سعی و سفارش اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو کچھ نفع پہنچا سکے گی۔ سب خدا کے آگے سرفگندہ ہوں گے۔ صرف اسی کا حکم ناطق و نافذ ہو گا۔

'عالم الغیب والشھادۃ' وہ سارے غائب و حاضر کا علم رکھنے والا ہے اس وجہ سے نہ کسی کی کوئی ظاہر یا پوشیدہ بات اس سے مخفی ہو گی، نہ وہ کسی سے کوئی بات معلوم کرنے کا محتاج ہو گا، نہ کوئی اس کے علم میں کوئی اضافہ کر سکے گا نہ کوئی غلط قسم کا عذر کر سکے گا۔

'وھو الحکیم الخبیر' وہ حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر فیصلہ عدل و حکمت اور علم و خبر پر مبنی ہو۔ نہ اس کے عدل و حکمت میں کوئی نقص ہے کہ وہ کسی باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دے نہ اس کے علم و خبر میں کوئی خلا ہے کہ لاعلمی اور بے خبری کے سبب سے کسی مغالطہ میں پڑ جائے یا کوئی اس کو مغالطہ میں ڈال کر حق کو باطل یا باطل کو حق بنا دے۔

۱۱- آگے کا مضمون آیات ۷۴-۹۰

سورہ کے شروع سے جو بحث چلی آ رہی تھی یہاں آکر اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ اب آگے حضرت ابراہیم، ان سے پہلے اور ان کے بعد پیدا ہونے والے تمام نبیوں کا حوالہ دے کر بتایا گیا ہے کہ ان سب کی دعوت یہی تھی جو یہ پیغمبر دے رہے ہیں پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم بھی اسی ہدایت یافتہ گروہ کی ہدایت کی پیروی کرو۔ اگر تمہاری یہ قوم تمہاری بات نہیں سنتی تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تمہاری ذمہ داری صرف دعوت و تبلیغ کی

ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان و ہدایت اتار دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں خاص اہمیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت توحید کا ذکر فرمایا ہے جو بالکل ابتداء ہی میں انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو دی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی دعوت کے خاص طور پر ذکر کی وجہ جیسا کہ ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل دونوں ہی ان کو مسلّم طور پر اپنا خاندانی بزرگ اور روحانی پیشوا مانتے تھے اور مدعی تھے کہ جس دین پر وہ ہیں ان کو انہی سے وراثت میں ملا ہے اور اپنی تمام مشرکانہ بدعات میں انہی کے نام نامی کو بطور سند پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی چونکہ ملت ابراہیم ہی پر ہوئی تھی اس وجہ سے ضروری ہوا کہ جس طرح بقرہ اور آل عمران میں بنی اسرائیل پر یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کی ایجاد کردہ یہودیت و نصرانیت کو ملت ابراہیم سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح بنی اسمٰعیل پر بھی یہ واضح کر دیا جائے کہ انھوں نے جو دین شرک اختیار کر رکھا ہے یہ ان کی اپنی ایجاد ہے، حضرت ابراہیمؑ سے اس کو کوئی دور کی نسبت بھی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابراہیم کی دعوت اور ان کی زندگی کے ہر پہلو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سبق حاصل ہو سکتے تھے وہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ آپ اسی ملت بیضا کی تجدید و تکمیل کے لیے آئے تھے جس کی دعوت حضرت ابراہیمؑ نے دی تھی اور اسی قوم کے اندر آئے تھے جو حضرت ابراہیمؑ کی نام لیوا تھی۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے:۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا
آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۷۴

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ
مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا
رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا
قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ
مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا
رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا

تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۷۹ وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ
اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ
الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ
دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ هُدَى
اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا
بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین میں ملکوت الٰہی کا مشاہدہ کراتے تھے تاکہ وہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے اور کاملین یقین میں سے بنے۔ ۷۴-۷۵

پس یوں ہوا کہ جب رات نے اس کو ڈھانک لیا اس نے ایک تارے کو دیکھا۔ بولا

کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا اس نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتے دیکھا، بولا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اس نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو میں گمراہوں میں سے ہو کر رہ جاؤں گا۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتے دیکھا بولا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ بالکل یکسو ہو کر اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ ۷۶-۷۹

اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ اس نے جواب دیا کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، درآنحالیکہ اس نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ کوئی بات میرا رب ہی چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے؟ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے باب میں اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تو ہم دونوں گروہوں میں سے امن و اطمینان کا زیادہ سزاوار کون ہے، اگر تم جانتے ہو؟ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن اور چین ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔ ۸۰-۸۲

یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر تمام کرنے کیلئے بخشی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں درجہ پر درجے بلند کرتے ہیں۔ بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے۔ اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ ان میں سے ہر ایک کو ہدایت بخشی اور نوح کو بھی ہم نے ہدایت بخشی اس سے پہلے اور اس کی ذریت میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور ہم خوب کاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی، یہ سب نیکوکاروں میں سے تھے۔ اور اسمٰعیل، یسع، یونس اور لوط کو بھی اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے عالم والوں پر فضیلت بخشی۔ اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی ہم نے ہدایت یافتہ بنائے اور ان کو برگزیدہ کیا۔ اور ان کو ہم نے صراط مستقیم کی ہدایت بخشی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس سے وہ سرفراز فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہو کے رہ جاتا۔ یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور قوت فیصلہ اور نبوت عطا فرمائی۔ تو اگر یہ لوگ اس کا انکار کر دیں گے

تو کچھ پروا نہیں ہم نے اس کے لیے ایسے لوگ مامور کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی تو تم بھی انہی کے طریقے کی پیروی کرو۔ اعلان کر دو، میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں، یہ تو بس عالم والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔ ۸۲-۹۰

لاہور میں

مولانا امین احسن اصلاحی

کا ہفتہ وار درس قرآن و حدیث

ہر جمعہ کو ——— بعد نماز عصر

جامع مسجد، ہرن روڈ۔ کرشن نگر

میں منعقد ہوتا ہے

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

- دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار
  صفحات ۳۱۲، قیمت ۳/۷۵ روپے
- تزکیۂ نفس
  صفحات ۳۴۴۔ قیمت ۶/۰ روپے
- اسلامی قانون کی تدوین
  صفحات ۱۶۰، قیمت ۳ روپے
  سستا ایڈیشن: ۲ روپے
- عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ
  صفحات ۱۲۸
  قیمت: ۲/۲۵ روپے

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور ۸

مقالات

کیا موجودہ زمانے میں اسلامی نظام کے قیام کا امکان ہے ؟

اقامتِ دین کیلئے انبیاء کرام کا طریق کار

مولانا امین احسن اصلاحی

ذیل کا مضمون اصل میں ایک سوال اور اس کے جواب پر مشتمل ہے جو اگست ۱۹۶۰ء کے میثاق میں شائع ہوا تھا ——— بعد ازاں مسئلہ زیر بحث کی اہمیت کے پیشِ نظر مسلسل تین ماہ تک یعنی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۰ء مولانا نے میثاق کے اداریے اسی موضوع پر تحریر فرمائے۔ اب ایک رفیق نے توجہ دلائی ہے کہ اس تحریر کو دوبارہ شائع کیا جائے تو مولانا نے ان تمام تحریروں کو ایک مسلسل مضمون کی شکل میں مرتب کر دیا ہے جو افادۂ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے ——— (اسرار احمد)

سوال :- تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ چند سالہ اسلامی دورِ حکومت کے علاوہ آج تک مسلمانوں کی کوئی ایسی ریاست قائم نہ ہو سکی جس کی بنیادیں قرآن و سنت پر ہوں۔ اور اب جبکہ پوری قوم روز بروز ترقی کی بجائے روبہ تنزل ہے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ ایسے نازک ترین حالات میں یہ قوم متحد ہو سکے اور قانونِ اسلامی کے نفاذ کی کوئی عملی صورت پیدا ہو؟ اور کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ گندہ معاشرہ صالح سوسائٹی میں تبدیل ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو کوشش برائے کوشش کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ جو نسلیں پیدا ہو رہی ہیں یا آئندہ ہوں گی بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ دینی لحاظ سے وہ پہلوں سے کم درجہ کی مالک ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے دین سے لگاؤ ہی نہیں۔ یہاں تک کہ علماء کی اولادیں بھی کالجوں ہی کی نذر ہو گئی ہیں۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کب امید کر سکتے ہیں کہ اسلامی انقلاب برپا کر ڈالیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ سارا وعظ رسالوں، کتابوں اور بیانات تک ہی منحصر ہے تو یہ لمبی امیدیں باندھ رکھنا فضول ہی نظر آتا ہے۔

جواب :- نظام خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، کوئی نظام بھی خود کار نہیں ہوا کرتا کہ وہ دنیا میں از خود قائم

ہو جائے۔ اس کے قائم کرنے کے لئے بہر حال اس کے چاہنے والوں کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جب وہ اپنی جدوجہد سے اس کے قیام کے تمام شرائط پورے کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ نظام دنیا میں برپا ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کے امکان پر بحث کرتے ہوئے دو باتوں پر غور کرنا چاہئیے۔ ایک یہ کہ یہ نظام کبھی دنیا میں قائم ہو سکا ہے یا نہیں۔ دوسری یہ کہ جب قائم ہوا تو یہ دنیا کے لئے موجب خیر و برکت ہوا یا نہیں؛ آپ جب ان دونوں سوالوں پر غور کریں گے تو تسلیم کریں گے کہ تاریخ ان دونوں سوالوں کے جواب اثبات میں دیتی ہے بلکہ تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ دنیا کے لئے خیر و برکت ہونے کے اعتبار سے اس سے بہتر نظام اس کے بعد کوئی دوسرا قائم نہ ہو سکا۔ اس حقیقت کا اعتراف دوستوں ہی کو نہیں بلکہ ان مخالفوں کو بھی ہے جن میں دیانت اور سچائی کی کوئی رمق ہے۔

جب یہ نظام تجربہ کی کسوٹی پر بھی پورا اتر چکا ہے اور عملاً موجب خیر و برکت بھی ثابت ہو چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ کیوں نہیں قائم ہو سکتا؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کا عقلی معیار اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اسلام اتنا بلند نہیں ہو سکتا۔ یا دنیا کا اخلاقی اور عقلی معیار اتنا پست ہو چکا ہے کہ اس دنیا کو اسلام کی سطح تک اٹھایا نہیں جا سکتا؟ یا اب کوئی دوسرا نظام اسلام کے نظام سے بہتر وجود میں آ چکا ہے۔ جس کے وجود میں آ جانے کے بعد اسلامی نظام دنیا کے لئے ضروری نہیں رہا۔ آپ کے سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں دوسرا پہلو ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اب ان کے ہاتھوں اسلامی نظام کی توقع بالکل فضول ہے۔ آپ سے ذرا مختلف نقطہ نظر رکھنے والا ایک اور گروہ بھی موجود ہے (جس میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی شامل ہے) جو سمجھتا ہے کہ دنیا ذہنی اور عقلی اعتبار سے اس قدر آگے جا چکی ہے کہ اب وہ اپنے لئے خود ہی اپنی ضرورت کے لحاظ سے نظام ایجاد کرے گی، پرانے نظاموں میں سے کوئی نظام بھی اس کے لئے موزوں نہیں رہا اگرچہ وہ اسلام ہی ہو۔

میں جب ان دونوں نقطہائے نظر پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ دونوں ہی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ میں دوسروں کا تو ذکر کیا خود اسلام کے علمبرداروں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کو دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے لیکن کیا وہ معاشرہ ہمارے معاشرہ سے بہتر تھا، جس میں اسلامی دعوت کا آغاز ہوا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ معاشرہ ہمارے معاشرہ سے بدرجہا پست تھا۔ لیکن اللہ کے رسول اور اس کے ساتھیوں نے اسی کے اندر کام کیا اور اس کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ نہیں کہا کہ بھلا اس برے معاشرے کے اندر اسلامی نظام کے قائم ہونے کی کیا توقع ہے۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ یہ تو جو کچھ ہوا نبیؐ کے عزم و ہمت سے ہوا۔ دوسرے یہ عزم و ہمت کہاں سے لا سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں سے پیغمبرؐ اور صحابہ کرامؓ کے عزم و ہمت

کی توقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن یاد رکھیے کہ ہمارے سامنے کام بھی اتنا مشکل نہیں ہے جتنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر اور جاہلیت سے کشمکش کی اور اس کو مٹا کر اس کی جگہ اسلام کو قائم کیا۔ ہمیں کفر و جاہلیت سے لڑنا اور اس کو شکست دینا نہیں ہے بلکہ صرف جمود اور جہالت سے کشمکش کر کے اپنے معاشرے کو اٹھانا اور بیدار کرنا ہے۔ اس معاشرے کے اندر ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، اسلامی پہلو سے بہت سی ایسی خوبیاں بھی ہیں جن سے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس کی اصلاح کا کام کرنا چاہیں۔ اس وجہ سے میں اس معاشرے کی طرف سے تو مایوس نہیں ہوں۔ اس کے اندر اسلام کے لئے کام کرنے کے بڑے امکانات ہیں اور میں تو توقع رکھتا ہوں کہ اس کو ایک اسلامی معاشرہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ اس مقصد عالی کے لئے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر بے لوث و بے غرض ہو کر صرف اللہ کے لئے کام کرنے والے ابھی ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتے ہیں۔ اگر اس طرح کے لوگ ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو پردہ غیب کے حالات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن توقع یہی ہے کہ تمام مزاحمتوں کے باوجود اس معاشرے کے اندر بہت جلد اسلامی طرز کی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے معاشرہ کے حالات سے دل شکستہ اور مایوس ہونے کے بجائے کوشش اس بات کے لئے ہونی چاہئیے کہ جو لوگ اسلام کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کو سمجھیں اور اس کو اپنائیں۔ اسلامی نظام دنیا میں صرف انبیاء علیہم السلام کے طریق کار ہی پر گامزن ہو کے وجود میں آ سکتا ہے، دوسرے طریقے اس مقصد کے لئے بالکل بیکار ہیں۔

جو لوگ اسلامی نظام کو اب بعید از وقت کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر یا تو اس کو بحیثیت ایک نظام کے موجودہ دور میں قابل اعتنا سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں ترمیم کر دی جائے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ غلط فہمی بیشتر اسلام اور اسلامی نظام سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ انہوں نے جو تعلیم پائی ہے اس نے اسلام کے خلاف ان کے ذہنوں میں بے شمار قسم کی غلط فہمیاں بھر دی ہیں جن کے دور کرنے کی کوئی موثر کوشش اسلام کے حامیوں کی طرف سے نہیں کی گئی ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے اور یہ کام ان تھک کوشش اور منظم علمی و فکری جدوجہد کا طالب ہے۔ اس کام کی راہ میں جو مشکلات ہیں وہ بے اندازہ ہیں لیکن ان مشکلات سے بھی مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر اسلام کے لئے کام کرنے والے جدوجہد کی صحیح راہ اختیار کر لیں تو غلط فہمیوں کے اس جنگل کو بھی صاف کرتے ہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ لیکن یہ بہر حال یہ راہ صبر آزما اور جو لوگ جلدی نتائج حاصل کر لینے کے لئے بے قرار ہوں وہ اس راہ کو مشکل ہی سے اختیار کرنے پر راضی ہوں گے۔

اس زمانہ کی مشکل یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کے غلط طریقے ذہنوں اور مزاجوں پر اس قدر حاوی ہیں کہ اول تو

لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے آشنا ہی نہیں ہیں اور اگر کوئی اس سے آشنا ہونے اور اس پر کام کرنے کا دعوے لے کر اٹھتا بھی ہے تو چند قدم بھی اس راہ پر چلنا نصیب نہیں ہوتا کہ گرد و پیش اور یمین و یسار کے زور دار فتنے آدمی کو دھکیل کر اسی ڈگر پر ڈال دیتے ہیں جو اس زمانہ کی عام ڈگر ہے۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے اسلامی نظام کے قیام یا دوسرے الفاظ میں اقامت دین کے لئے کوئی خاص طریقہ بتایا ہے جو منصوص ہے اور جس کی پیروی اس مقصد کے لئے کام کرنے والوں پر ہر دور میں ضروری ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں بتانا چاہئے کہ وہ طریقہ کار کیا ہے تاکہ بات مجمل نہ رہے اور جو لوگ اس کو اختیار کرنا چاہیں اختیار کر سکیں۔

اس سوال کا ہماری طرف سے قطعی جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طرح طہارت و عبادت اور معاشرت و معیشت سے متعلق ہماری رہنمائی کے لئے اپنی سنتیں چھوڑی ہیں اسی طرح اصلاح معاشرہ، اقامت دین یا اسلامی نظام کے طریقہ قیام سے متعلق بھی اپنی نہایت واضح سنتیں چھوڑی ہیں جن کو اختیار کئے بغیر اقامت دین کے نصب العین کے لئے کوئی نتیجہ خیز کام نہیں کیا جا سکتا۔ ان سے ہٹ کر جو کوشش بھی اس مقصد کے لئے کی جائے گی وہ بالکل بے برکت اور بے نتیجہ ثابت ہوگی۔ ہم نے خاص اسی عنوان پر "دعوت دین اور اس کا طریقہ کار" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جن لوگوں کے ذہن میں اس امر خاص سے متعلق کوئی تشویش ہے ہم ان کو مشورہ دیں گے کہ ہماری مذکورہ کتاب ایک مرتبہ صاف ذہن کے ساتھ وہ ضرور پڑھ ڈالیں۔

یہاں ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھنے کے لئے گنجائش نہیں رکھتے۔ صرف چند اصولی باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جس سے فی الجملہ یہ اندازہ ہو سکے گا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار کن خاص پہلوؤں سے اہل سیاست کے طریقوں سے مختلف ہوتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلی چیز جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریقہ کار کو دوسروں سے اور ان کے طریقہ کار سے الگ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ انبیاء جن باتوں کے داعی بن کر اٹھتے ہیں، ان کے سب سے بڑے عملی مظہر وہ خود ہوتے ہیں۔ وہ جن نیکیوں کے مبلغ ہوتے ہیں اگر دوسروں سے ان پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود ان پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن برائیوں سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کرتے ہیں ان کے بارے میں وہ دوسروں سے اگر صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے احتراز کریں تو اپنے لئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی پرچھائیں بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ برعکس اس کے اہل سیاست کا عام طریقہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بقول یہ ہوتا ہے کہ جس بوجھ کے اٹھانے میں وہ اپنی انگلی کا بھی سہارا نہیں دینا چاہتے اس کو وہ پورا کا پورا دوسروں کی کمر پر لاد دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے علمائے یہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ "تم دوسروں کو تو نیکی کا درس دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو" اسی طرح اہل سیاست جن باتوں

سے خود کوسوں دور ہوتے ہیں ان کی منادی وہ اپنی ہر تحریر اور تقریر میں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ اپنے قول ہی کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور محض زبان کے پھاؤڑے سے وہ ثمرات و نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو نتائج خون اور پسینہ ایک کر دینے سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کے لئے آدمی کو اپنے ایک ایک بن مو کو گواہ بنانا پڑتا ہے۔ آپ اگر ایمانداری سے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے تو ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہماری قوم کو ایک مدت دراز سے ایسے ہی طبیبوں سے سابقہ ہے جو سو مریضوں کے مریض ہونے کے باوجود قوم کے علاج کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جو اپنی آنکھوں میں بڑے بڑے شہتیر چھپائے رکھنے کے باوجود دوسروں کی آنکھوں کے تنکے تلاش کرنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں —— ایسے طبیبوں کی سعی علاج کا جو نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے وہ معلوم ہے۔

۲۔ دوسری چیز جو حضرات انبیاء کے طریقہ کو دوسروں کے طریقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء سیاسی اقتدار کے حصول پر اصلاح معاشرہ کے کام کو منحصر نہیں قرار دیتے بلکہ معاشرہ کی اصلاح کو نظام سیاسی کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار میں اصل اہمیت جس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ اور اعمال و اخلاق تبدیل ہوں اور برائی سے لڑنے اور بھلائی کو قائم کرنے کے لئے ان کے ضمیر پوری طرح بیدار ہو جائیں۔ یہ بیداری پیدا کرنے کے لئے وہ جد و جہد کرتے ہیں اور یہ جد و جہد وہ مسلسل جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں سے ایک صالح معاشرہ کھڑا کر دیا ہے اور اس معاشرہ کے ہاتھوں ایک صالح نظام قائم ہو گیا ہے یا اسی مقدس کام میں ان کی زندگیاں ختم ہو گئی ہیں اور چند نفوس کے سوا کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ حضرات انبیاء کی زندگیوں میں ان دونوں ہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں اور اس دوسری چیز کی مثالیں کم نہیں بلکہ پہلی چیز کے مقابل میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہیں لیکن کسی ایک نبی کی زندگی میں بھی اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس نے معاشرہ کی اصلاح کو نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس مقصد کے لئے دعوت شروع کر دی ہو کہ چلو جس طرح بنے اقتدار پر قبضہ کرو اور پھر اس اقتدار کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بناؤ۔

اس کے بالکل برعکس سیاسی طور پر کام کرنے والوں کی ساری بھاگ دوڑ حصول اقتدار کے لئے ہوتی ہے۔ بعض اس اقتدار کے حصول کے لئے آئینی طریقے اختیار کرتے ہیں، بعض غیر آئینی راستے اختیار کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے۔ جو لوگ آئینی طریقے اختیار کرتے ہیں ان کا سارا اعتماد اس بات پر ہوتا ہے کہ ووٹوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ان کے ساتھ ہو۔ اس وجہ سے ان کی توجہ رات دن ووٹوں کے ساتھ جوڑ توڑ پر صرف ہوتی ہے۔ ان کو ساتھ ملانے کے لئے وہ سارے جتن کر ڈالتے ہیں یہاں تک کہ اس سرگرمی میں وہ جائز اور ناجائز کی بھی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتے۔ کوئی بات اگر انہیں ناجائز محسوس ہوتی بھی ہے تو وہ یہ خیال کر کے اپنے اس ناجائز کو جائز بنا لیتے ہیں کہ کسی بڑے مقصد کے لئے کسی چھوٹے ناجائز کو جائز کر لینے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ ووٹروں سے ان کا سارا پیار ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے

زیادہ ان کے خیر و شر سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنے ووٹ انہیں دے دیں تو ان کے نقطۂ نظر سے وہ معاشرہ کے بہترین افراد ہیں، اگرچہ وہ فی الواقع اتنے برے ہوں کہ ان کے فتنوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو۔ اس طرح کے لوگ اگر معاشرہ کی خدمت اور اصلاح کا کوئی چھوٹا بڑا کام کرتے بھی ہیں تو اس میں بھی خلوص اور للّٰہیت کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ اصل پیشِ نظر مقصد وہی ہوتا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ان کی ان خدمتوں سے متاثر ہو کر انتخابات میں لوگ اپنے ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں۔ یہ مقصد اس گروہ پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حضرات اپنے انتخابی حلقوں میں نماز بھی اگر پڑھتے ہیں تو اسی ووٹ کے مقصد ہی سے پڑھتے ہیں تو شاید اس میں بھی کوئی مبالغہ نہ ہو۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ ان سیاسی کارندوں کا سارا جوش کار صرف اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک ان کے لئے برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام ملک میں قائم رہے۔ اگر یہ نظام قائم نہ ہو تو ان کا سارا جوش جہاد و اصلاح اس طرح ٹھنڈا پڑ جاتا ہے گویا سو مُردوں کے یہ ایک مُردہ ہیں۔ یہ ساری خرابی درحقیقت ان کے طریقۂ کار کی ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام اس بات کے محتاج کب رہے ہیں کہ ملک میں امریکی یا انگریزی طرز کا نظام ہو تب وہ کام کریں ورنہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔

یہ ذکر آئینی طریقہ پر کام کرنے والوں کا تھا۔ جو لوگ غیر آئینی طریقہ پر کام کرتے ہیں ان کا اعتماد خفیہ سازشوں پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے نظریات کھلے میدان میں حقوق اور استدلال کی راہ سے منوانے پر اعتماد نہیں رکھتے، اس وجہ سے سازشی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اس راہ سے اقتدار حاصل کرتے ہیں اگر ان کو کامیابی ہو جاتی ہے تو پھر سیاسی جبر کے ذریعے سے وہ معاشرہ پر اپنے نظریات مسلط کر دیتے ہیں۔ اشتراکیت کے علمبرداروں کا طریقہ کار یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ کار انبیاء کے طریقۂ کار سے پہلے طریقہ سے بھی زیادہ دور ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد جبر پر ہے اور انبیاء کے طریقہ میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ یہ جبر آئین کے ذریعہ سے حاصل کردہ اقتدار کے ہاتھوں استعمال ہو یا سازش کے ذریعہ سے حاصل کردہ اقتدار کے ذریعہ سے۔ ہاتھوں کے اختلاف سے اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا۔ اسلامی نظام کوئی مجبوری کا سودا نہیں ہے بلکہ آزادانہ ایمان و اسلام کا معاملہ ہے اور اس کے لئے واحد پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ یہ ایک آزاد و اسلامی معاشرہ میں، اس کی آزادانہ مرضی اور آزادانہ رائے سے قائم ہو۔ وہ لوگ اس کو قائم کریں جنہوں نے خلوص سے اس کو قبول کیا ہو۔ دل سے اس کو مانا ہو اور عمل سے اس کی گواہی دے رہے ہوں۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام کا قیام معاشرہ کی اصلاح ہی پر منحصر ہے اور اس کے لئے اہلِ سیاست کے سے طریقے نہیں اختیار کئے جا سکتے تو پھر یہ بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ ان کے خیال میں یہ طریقۂ کار اتنی طویل مدت چاہتا ہے کہ جب تک معاشرہ کی اصلاح ہوگی اس وقت تک جو تھوڑی بہت یہاں آج پائی جاتی ہیں موجودہ نظام کے زیر سایہ پرورش پا کر سب غیر ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اگر اسلام کا نام لینے کا موقع ہے

تو کل یہ نام لینے کا بھی امکان نہیں باقی رہے گا۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے لیکن ہمارے خیال میں اس میں کئی مغالطے چھپے ہوئے ہیں۔

ایسے میں پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ایک صحیح کام صحیح طریقہ پر کرنے میں بہت دیر لگے کا اندیشہ ہے تو اس کی تلافی کا یہ کون سا دانشمندانہ طریقہ ہے کہ ایک غلط کام بالکل غلط طریقہ ہی پر کر ڈالا جائے۔ غلط کام بہرحال غلط ہے وہ اس وجہ سے صحیح نہیں بن جائے گا کہ وہ جلدی سے انجام پا جاتا ہے۔ ہر کام کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوتا ہے جب اس کو اس کے مخصوص ڈھب پر انجام دیا جائے، اگرچہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ بعض لوگ زبان کے جہاد اور عمل کے جہاد میں، اثرات و نتائج کے لحاظ سے جو فرق ہے اس کو نہیں سمجھتے۔ اگر اسلامی نظام کا دعویٰ محض زبان اور قلم پر ہو، عملی زندگی اسلام کے حقیقی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو تو اسلامی نظام تا قیامت قائم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سیاسی اقتدار دنیا میں اسلام کے بہت سے مدعیوں کو حاصل ہوا۔ لیکن اسلام کے لئے وہ اگر کچھ مفید ہوا تو اسی شکل میں ہوا جب اقتدار والوں کی عملی زندگیوں میں اسلام کا کچھ اثر رہا۔ برخلاف اس کے ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے اشخاص دیکھے ہیں، جنہوں نے چند سالوں کے اندر اندر معاشرہ کے معاشرہ کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالا اور ملکوں اور قوموں کی قسمتیں بدل دیں حالانکہ جب انہوں نے یہ کام کئے ان کو کسی اقتدار حاصل نہیں تھا۔ اگر ان کو کوئی چیز حاصل تھی تو صرف یہ تھی کہ وہ اپنے اصولوں، اپنے نظریات اور اپنے دعاوی کے فی الواقع عملی مظہر تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے بہت سے نظریات صحیح نہیں تھے۔ لیکن کردار کا جادو وہ چیز ہے کہ بسا اوقات یہ کنجشک فرومایہ کو بھی عقاب و شاہین کی سطوت بخش دیتا ہے۔

تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اقتدار پر قبضہ کر کے برائی کے پھیلانے والے طاقتور عناصر کو معطل نہ کر دیا جائے تو بھلائی کے پھیلانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی معاشرہ میں برائی کے پھیلنے کی اصلی وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ برائی پھیلانے والے ہاتھ بڑے زور دار اور مؤثر ہیں بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ ان برائیوں کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے یا تو موجود ہی نہیں ہوتے یا موجود تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اخلاص، دل سوزی، دردمندی اور عزیمت نہیں ہوتی۔ اگر کسی معاشرہ کے اندر معاشرہ کا بھلا درد رکھنے والے، برائیوں پر تڑپ جانے والے، علم و دلیل کے ساتھ بات کرنے والے اور ہر برائی کے مقابل میں صداقت و عزیمت کے ساتھ ڈٹ جانے والے موجود ہوں تو وہ کسی سیاسی طاقت کے بغیر برائی کے طاقتور سے طاقتور ہاتھوں کو بھی معطل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے مردانِ حق کے سامنے برائی خواہ کتنی ہی زور اور دبدبہ

کے ساتھ آئے لیکن وہ بھلائی کو مغلوب کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو عریاں کرتی ہے اور بالآخر اسے میدان سے پسپا ہونا پڑتا ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی شہادت نہیں ملتی ہے تو صرف ایسے معاشرہ کے اندر ملتی ہے جس کا فساد اس قدر بڑھ چکا ہو کہ قدرت کی طرف سے اس کے لئے ہلاکت مقدر ہو چکی ہو ورنہ معاشرہ کے اندر اگر زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو صحیح طور پر کام کرنے والوں نے ان مظالم کو بھی حق کے لئے غذا بنا دیا ہے جو طاقتور ہاتھوں نے باطل کی حمایت میں کئے ہیں۔ تنور میں آگ زور دار ہو تو گیلی لکڑی بھی اس کو بجھانے کے بجائے اس کے لئے ایندھن کا کام دے جاتی ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کے طریقِ کار کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مخالفت و موافقت جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ للہ و فی اللہ ہوتی ہے۔ وہ حق کے ساتھی ہیں خواہ وہ ان کے دشمن ہی کے اندر پایا جائے اور باطل کے وہ مخالف ہوتے ہیں اگرچہ وہ ان کے کسی ہوا خواہ کے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے۔ انہیں کسی خاندان، کسی گروہ، کسی پارٹی اور کسی قوم سے محض اس کے ایک مخصوص گروہ یا خاندان یا پارٹی ہونے کے سبب سے نہ دشمنی ہوتی اور نہ دوستی۔ دشمنی اور دوستی جو کچھ انہیں ہوتی ہے وہ اصول و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بنا پر ہوتی ہے۔ وہ اپنے مخالف کی خوبیوں کا بھی اسی فیاضی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں جس فیاضی کے ساتھ اپنے موافق کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اپنے موافق کی برائیوں پر بھی اسی شدت کے ساتھ نکیر کرتے ہیں جس شدت کے ساتھ اپنے کسی مخالف کی برائیوں پر نکیر کرتے ہیں۔

برعکس اس کے جو لوگ سیاسی طریقوں پر کام کرتے ہیں ان کی دوستی اور دشمنی ان کے گروہی مفاد اور سیاسی مصالح و اغراض پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تمام جد و جہد کا محور صرف اقتدار ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی یہ فطرت بن جاتی ہے کہ جو اقتدار سے محروم ہوں وہ اصحابِ اقتدار کے اندر کسی خوبی کا اقرار نہ کریں اگرچہ وہ خوبی سورج کی طرح روشن ہو اور جو اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوں وہ اقتدار سے محروم جماعتوں کی کسی خوبی کا اعتراف نہ کریں اگرچہ وہ خوبی اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہو جس طرح ہم نے آج تک کسی پارٹی کی موجودگی میں دو کتوں کو ایک دوسرے کے لئے انصاف پسند اور خیر خواہ نہیں پایا اسی طرح اقتدار کی استخوان نزاع کی موجودگی میں اقتدار کے حامیین اور اقتدار سے محرومین کو بھی ایک دوسرے کے لئے خیر خواہ اور انصاف پسند نہیں پایا۔ اختلاف برائے اختلاف ان کا دین ہوتا ہے اور اپنے اس دین کی پیروی وہ بحالت ہوش و حواس اور بہ ثبات عقل و اختیار کرتے ہیں اور اس احمقانہ رویہ کو اپنی سیاسی زندگی کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت بتاتے ہیں جس سے ان کے نزدیک مفر کی کوئی صورت ہی باقی نہیں ہے۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کے لئے آتے اور اس مقصد کے لئے جس چیز کو انہوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ و شہادت ہے۔ تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا، انہوں نے بغیر کسی کی

بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی رد و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا دیا۔ نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر ہونے دیا، نہ اس کے مواد میں، نہ اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی پیدا کی نہ اس کی تدریج میں۔ وہ اللہ کے دین کے امین تھے اس کے موجد اور مصنف نہیں تھے۔ اس وجہ سے اپنی ذمہ داری انہوں نے ہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھی کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ انہوں نے اس بات کی پروا کبھی نہیں کی کہ اس دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد و بدل کے مجاز نہیں ہیں۔ جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ رد کر دے۔

شہادت کا مطلب یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، قول سے، عمل سے، خلوت سے، جلوت سے، زندگی سے، موت سے، غرض اپنی ایک ایک ادا سے انہوں نے اسی دین کی گواہی دی جس کے وہ داعی بن کر آئے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ انہوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا، جس چیز کا دوسروں کو حکم دیا اس پر خود پوری قوت و عزیمت کے ساتھ عمل کیا۔ ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی یہی مکمل مطابقت درحقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بالکل برعکس معاملہ اہلِ سیاست کا ہے۔ اہلِ سیاست خدا کا دین نہیں قائم کرتے بلکہ تحریک چلاتے ہیں۔ اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں تو وہ دین بھی ان کی تحریک ہی کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جس جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی بھٹکتا پھرتا ہے۔ ایک تحریک کے لئے تبلیغ اور شہادت کے معصوم ذریعے بالکل بیکار ہیں اس لئے اہلِ سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے۔ پروپیگنڈہ اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے بلکہ روح اور جوہر کا بھی فرق ہے۔ تبلیغ تو جیسا کہ واضح ہو چکا ہے صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے۔ لیکن پروپیگنڈے کا مقصود پیشِ نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو۔ پروپیگنڈا ایک مستقل فن ہے جس کو زمانۂ حال کی سیاسی تحریکات نے جنم دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان تمام اخلاقی حدود و قیود سے بالکل آزاد ہوتا ہے جن کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقامتِ دین کے کام میں واجب سمجھی ہے۔

مناسب ہو گا کہ ہم مختصر طور پر یہاں پروپیگنڈے کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کر دیں تاکہ سیاسی تحریکات کے اس سب سے بڑے وسیلۂ کار اور تبلیغ کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

پروپیگنڈے کے اجزائے ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے اندر جزو اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے۔ بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ کوئی مجمع ۵ سو کا ہوگا تو وہ اس کی بدولت اخبارات کی شہ سرخیوں میں ۵ ہزار کا بن جائے گا۔ کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے تو یہ دس آدمی اس پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے دس ہزار بن جائیں گے۔ کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہمدردی کا بھی اظہار کر دیں گے تو اس مسلک کے حامی اپنے اخبارات و رسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورا کا پورا شہر ان کی تائید و حمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اگر کسی باہر کے ملک سے تائید و ہمدردی کا ایک کارڈ بھی آ جائے گا تو پریس میں اس کی تشہیر یوں ہوگی کہ فلاں ملک کو فلاں تحریک نے بالکل مسخر کر لیا ہے۔ اگر کوئی خدمت حقیقت کی نظروں میں چھٹانک ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو کم از کم من بھر دکھائے۔ اس جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانہ میں ہمارے اہل سیاست نے اس طرح اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے کہ اب اس کے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی مردہ ہو گیا ہے۔ اس کوچہ میں بدنام تو کیلا غریب گوئبلز ہے اور اس کی بدنامی بھی پروپیگنڈے ہی کا کرشمہ ہے۔ لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے مقام میں سب کو گوئبلز ہی کے اسوہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ خواہ کوئی شخص دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا داخل ہو۔

اسی جھوٹ اور مبالغہ ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح و توصیف سے آسمان پر پہنچا یا جائے اور جس کو مخالف قرار دے لیا جائے اس کے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے۔ اسلام میں تو مدح و ذم اور تعریف و ہجو دونوں کے لئے نہایت سخت حدود و قیود ہیں اور کوئی شخص دین سے بے قید ہوئے بغیر اپنے آپ کو ان حدود و قیود سے آزاد نہیں کر سکتا۔ لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاؤ اور اپنے مخالف کو تحت الثریٰ میں گراؤ۔ اور اس مقصد کے لئے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افترا کی ضرورت پیش آئے اس کو بے تکلف گھڑو اور بالکل بے خوف ہو کر اس کو لوگوں میں پھیلاؤ۔ صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے لیکن اہل سیاست اپنی تحریکات کی کامیابی کے لئے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسی طرح وہ اشخاص اٹھتے ہیں جو تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں جو تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ خفض و رفع کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت کتنے بے علم ہیں جو مولانا اور علامہ کا مقام حاصل کر بیٹھے ہیں۔ اور کتنے صاحب علم و تقویٰ ہیں جن کی پگڑیاں اچھلتی رہتی ہیں۔

۵۔ ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کو عام اہل دنیا کے طریقہ ہائے کار سے نمایاں کرتی ہے وہ

یہ ہے کہ ان کی تمام جد و جہد میں مطلوب و مقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو حاصل ہوتی ہے اس چیز کے سوا کوئی اور چیز ان کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی جد و جہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے لئے کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کی دعوت کبھی نہیں دیتے کہ آؤ حکومت الٰہیہ قائم کرو یا اقتدار حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرو۔ بلکہ دعوت صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدا کے دین پر چلنا اور اسی پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ضروری ہے۔

اس کے برعکس اہل سیاست کی ساری تگ و دو کا مقصود اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ وہ اسی اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تنظیم کرتے ہیں اور اسی کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ مقصود ایک خالص دنیوی مقصود ہے لیکن بعض لوگ اس پر دین کا ملمع کر کے اس چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ یہ اقتدار اپنے لئے نہیں چاہتے بلکہ خدا کے لئے یا اس کے دین کے لئے چاہتے ہیں۔ جو لوگ معاملہ کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان کی نیتوں پر شبہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کے حصول کے لئے جد و جہد کر رہے ہوں، وہ خدا ہی کے لئے استعمال کریں لیکن اس سے جد و جہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جد و جہد کی مزاجی خصوصیات پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو یہ نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہے کہ اہل سیاست جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر و فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت تک انجام ہی نہیں دیا جا سکتا جب تک یہ اقتدار حاصل نہ ہو جائے، اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لئے نہایت خطرناک سمجھا ہے جس کے داعی وہ خود رہے ہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے فقر و غربت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت و ثروت تمہیں حاصل ہوگی اور تم اس کے انہماک میں اصل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاؤ گے۔ آپ کا ارشاد ہے، خدا کی قسم میں تمہارے لئے فقر سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لئے کھول دی گئی اسی طرح تمہارے لئے بھی کھول دی جائے گی۔ پھر جس طرح وہ اس کی بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گئے اسی طرح تم بھی اس کے لئے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو جاؤ گے پھر یہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر چھوڑے گی جس طرح اس نے تمہارے پہلوں کو ہلاک کر چھوڑا۔

مذکورہ حدیث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جد و جہد میں اصل مطمح نظر

کی حیثیت آخرت کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کا اقتدار اس نصب العین کے لئے مفید بھی ہو سکتا ہے اور مضر بھی۔ بلکہ مضر ہونا زیادہ اقرب ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی آزمائش سمجھتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غربت اور فقر کے دور میں انہیں آخرت کے لئے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے اسی طرح امارت و سیادت کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اس امر کا کوئی ادنیٰ نشان بھی نہیں ملتا کہ اقتدار کو انہوں نے اصل نصب العین سمجھا ہو یا اصل نصب العین کے لئے اس کو کوئی بڑی سازگار چیز سمجھا ہو۔

ہماری اس تقریر سے کسی صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم یہ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہم رہبانیت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام جدوجہد کا مقصود صرف آخرت ہوتی ہے وہ اسی کیلئے خلق خدا کو دعوت دیتے ہیں، اسی کیلئے لوگوں کو منظم کرتے ہیں اسی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ اسی چیز سے ان کی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے اور اسی چیز پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ان کی تمام سرگرمیوں میں محرک کی حیثیت بھی اسی چیز کو حاصل ہوتی ہے اور غایت و مقصود کی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا کو آخرت کے منافی نہیں قرار دیتے بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں۔ ان کی دعوت یہ نہیں ہوتی کہ لوگ دنیا کو چھوڑ دیں بلکہ اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کے لئے استعمال کریں۔

ان کے ہر کام پر ان کے اس نصب العین کے حاوی ہونے کا خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کسی ایسی چیز کو کبھی گوارا نہیں کرتے جو ان کے اس اعلیٰ نصب العین کی عزت و حرمت کو بٹہ لگانے والی ہو۔ ان کے مقاصد کی طرح ان کے وسائل و ذرائع بھی نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں۔ وہ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں کبھی ایسی چیزوں کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی پاکیزگی مشتبہ اور مشکوک ہو۔ ان کی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کرنے والی میزان بھی چونکہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہے اس وجہ سے ان کی کامیابی اور ناکامی کے معیارات بھی عام اہل سیاست کے معیارات سے بالکل مختلف ہیں۔ اہل سیاست کے ہاں تو کامیابی کا معیار ان کے نصب العین کے لحاظ سے یہ ہے کہ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر وہ ناکام و نامراد ہیں لیکن انبیاء کے طریقہ پر جو لوگ کام کرتے ہیں ان کی کامیابی کے لئے اقتدار کا حصول کوئی شرط نہیں ہے۔ ان کی کامیابی کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے کام کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی حالت پر ان کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل ہو گئی تو وہ کامیاب ہیں اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی ایک متنفس بھی اس دنیا میں ان کا ساتھ دینے والا نہ بن سکا ہو اور اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکی تو وہ ناکام ہیں۔ اگرچہ انہوں نے تمام عرب و عجم کو اپنے اردگرد اکٹھا کر لیا ہو۔

بہرحال ہمارے نزدیک اسلام اور اسلامی زندگی کے احیاء کے لئے کام کرنے والوں کو اہل سیاست کے طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ انہیں حصول اقتدار کی خواہش، ووٹ حاصل کرنے کی غرض اور سیاسی جوڑ توڑ کے ہر شائبہ سے پاک اور بالاتر ہو کر عوام کے پاس صرف ان کی خدمت اور ان کی مذہبی و اخلاقی اصلاح کے لئے جانا چاہیئے۔ جو برائیاں اس وقت معاشرے میں عام ہو رہی ہیں ان کے دنیوی اور اخروی نقصانات دل سوزی و ہمدردی کے ساتھ انہیں بتانے چاہئیں۔ جن فضول قسم کے مذہبی مناقشات میں اس وقت ہمارا دینی طبقہ الجھا ہوا ہے علماء اور عوام دونوں کو ان کے مضر نتائج سے آگاہ کرنا چاہیئے اور یہ کام ان لوگوں کو کرنا چاہیئے جو خود دینی رنگ میں گہرے طور پر رنگے ہوئے ہوں۔ اسلام کا نام محض ان کی زبانوں ہی پر نہ ہو بلکہ ان کے دلوں میں بھی اترا ہوا ہو۔ اور جو صرف لٹریچر اور پروپیگنڈے ہی کو حصول مقصود کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اپنے عمل اور اپنے کردار سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کریں۔

اس وقت سب سے اہم کام کرنے کا یہ ہے کہ جدید فکر و فلسفہ کی بدولت اسلام کے خلاف خود مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ کے اندر جو ذہنی اور عملی بغاوت پھیل رہی ہے اس کو روکنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔ اس کو روکنے کے لئے کوئی ہنگامی اور وقتی تدبیر کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک سے زیادہ ایسے علمی و تحقیقی اداروں کی ضرورت ہے جو اسلام کی خدمت کے لئے ذہین اور صالح الفطرت نوجوانوں کی تربیت بھی کریں اور جو ان تمام مسائل پر بلند پایہ علمی اور تحقیقی لٹریچر بھی تیار کریں جو مغربی فکر و فلسفہ کی فتنہ انگیزیوں سے اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جن سے ہمارا پورا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس وقت بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا اب ہمیں اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ہمارے موجودہ مذہبی طبقہ کے اندر اس فتنہ کے مقابلہ کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کام کے لئے ایسے رجال فکر تیار کرنے کی ضرورت ہے جو اسلام کی حمایت و مدافعت کے لئے جدید اسلحہ سے مسلح ہوں۔ اگر اس قسم کے اشخاص پیدا کرنے کا جلدی سے جلدی کوئی انتظام نہ ہوا تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس ملک میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ یہ بات اگرچہ نہایت ہی درد انگیز ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے اس وجہ سے ہمیں کہنی پڑتی ہے اور خاص طور پر اس وجہ سے کہنی پڑتی ہے کہ جس چیز پر اس ملک میں اسلام کا انحصار ہے اس کے لئے کوئی عملی اقدام تو درکنار اب تک اس کا کوئی احساس بھی ہماری قوم کے اندر نہیں پایا جاتا۔

اس چیز کے مفید تر بنانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کام ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام پاتے جن پر کسی خاص پارٹی یا جماعت کا لیبل لگا ہوا نہ ہوتا کہ ہماری قوم کا ہر طبقہ بغیر کسی شک اور بدگمانی کے اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ بسا اوقات ہم نے دیکھا ہے کہ نہایت اعلیٰ مذہبی اور علمی خدمات محض اس وجہ سے شکوک اور بدگمانیوں کی نذر ہو جاتی ہیں اور لوگوں کے اندر ان کے خلاف تعصبات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان خدمات کے انجام دینے والوں پر کسی خاص پارٹی یا جماعت کا لیبل لگا ہوا ہوتا ہے۔ بعض حالات میں اس بدگمانی کے لئے نہایت معقول اسباب بھی ہوتے ہیں۔ تجربہ گواہ

ہے کہ پارٹیوں اور جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو جانے کے بعد پارٹی کے طرز فکر اور جماعت کے مخصوص رجحانات کا اتنا غلبہ ہو جاتا ہے کہ آدمی کے سوچنے کا انداز علمی کی بجائے بالکل سیاسی ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کے فکر کا کتنا حصہ بے آمیز اور خالص ہے اور کتنا اس کے اپنے جماعتی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ جماعتی عصبیت کے مریضوں نے حقائق کو مسخ کرنے اور ہر چیز کو (یہاں تک کہ اللہ و رسول کو بھی) اپنے رنگ میں دکھانے کی ایسی کوششیں کی ہیں کہ ان کے کسی کام کو بھی جنبہ داری سے بالاتر سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ فکر دینے والا گروہ اگر ہر قسم کی سیاسی تنظیمات سے بالکل الگ تھلگ رہے گا تو اس فکر سے اجتماعی زندگی متاثر کس طرح ہو گی اور اس سے کوئی انقلاب کس طرح رونما ہو گا؟ یہ شبہ جن لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ دنیا کے انقلابات کی تاریخ اور ان کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ جو اشخاص فکر دیں وہی انقلاب کا جھنڈا بھی اٹھائیں۔ ایک صحت مند اور طاقتور فکر خود اپنے حامی اور علمبردار پیدا کر لیتی ہے اور وقت آنے پر اس کے لئے کام کرنے اور اس کو عملاً برپا کر دینے والے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ روح انسانی آج جس چیز کے لئے بے چین ہے آپ اس کے مہیا کرنے کا سامان کیجئے۔ اس میں اگر زندگی ہو گی تو وہ قبرستانوں کے مردوں کو بھی اپنی حمایت میں اٹھا کھڑا کرے گی۔

ملک کے حالات پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آج ہر چیز نہایت تیزی سے بدل رہی ہے۔ معاشرے کی اخلاقی و مذہبی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر مغربی رنگ چھاتا جا رہا ہے۔ تعلیم میں، تمدن میں، معاشرت میں، معیشت میں مذہب کا عنصر کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں قابل توجہ ہیں۔ اس دور میں اگر توجہ کی جائے جب کہ ہر چیز ایک نئے سانچے میں ڈھل رہی ہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ اس کی تشکیل میں کچھ حصہ اہل دین کا بھی شامل ہو جائے گا۔ لیکن جب ہر چیز ڈھل ڈھلا کر ایک خاص صورت قبول کر چکے گی اور ایک مخصوص ہیئت پر وہ پختہ ہو جائے گی تو اس وقت آپ کا متوجہ ہونا بالکل بعد از وقت ہو گا۔ آج تو یہ ممکن ہے کہ ایک بات ہمدردانہ مشورہ دینے ہی سے درست ہو جائے لیکن کل جب کہ وہ پختہ ہو جائے گی تو سر دے کر بھی شاید آپ اس کو درست کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس مقصد کے لئے وسائل و ذرائع کا بھی سوال ہے اور ساتھ ہی اشخاص و رجال کا بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پیش نظر کام کے لئے نہ تو موزوں آدمی ہی نظر آتے ہیں اور نہ ضرورت کے مطابق سرمایہ ہی حاصل ہونے کی موجودہ حالات میں کوئی امید بندھتی ہے۔ اس مشکل کے حل ہونے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ جو لوگ اس مقصد کی اہمیت کو سمجھتے ہیں وہ باہم مل کر یک جہتی کے ساتھ کوئی جامع پروگرام بنائیں اور اپنی طاقتیں اپنے وسائل الگ الگ نشانوں پر ضائع کرنے کے بجائے ایک ہی نشانہ اور ایک ہی مرکز پر صرف کریں۔ اس ملک میں ایسے اصحاب و وسائل موجود ہیں جو اس

مقصد کے لئے روپیہ صرف کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح ایسے اشخاص بھی ہیں جو اس نصب العین کے لئے اپنی قابلیتیں اور صلاحیتیں وقف کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ان کی راہ میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے مقامی بندھنوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس پابندی کے سبب سے ان سب کا باہم مل جلنا دشوار ہو رہا ہے اور آپس میں جڑے بغیر ان کا ایسی کوئی مؤثر طاقت بننا محال ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مفید اور قابل ذکر خدمت انجام پا سکے۔

اگر یہی صورت حال قائم رہے تو یہ اسلام کے مخلص بھی دردمند ہیں سب اپنے اخلاص اور اپنی دردمندی کے باوجود اپنی اپنی جگہوں پر یا تو ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں گے یا اپنے مال اور اپنی صلاحیتیں نہایت ہی حقیر کاموں پر ضائع کرتے رہیں گے جس سے اسلام کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا۔ اگر یہ حضرات فی الواقع اس دور غربت میں اسلام کی کوئی مفید خدمت انجام دینا چاہتے ہیں تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ یہ سب لوگ اپنے مقامی علائق سے اپنے اپنے ذہنوں کو آزاد کر کے اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ باہمی مشورہ سے اسلام کی خدمت کے لئے اس وقت جو کام جس جگہ کرنا طے پا جائے گا اپنے اپنے وسائل اور اپنی اپنی صلاحیتیں للہ و فی اللہ سب اس کی نذر کر دیں گے۔ اگر یہ شکل بن جائے تو ہم توقع رکھتے ہیں کہ معاشرہ کی اخلاقی و مذہبی اصلاح کا ایک نظام بھی قائم ہو سکتا ہے، وسیع پیمانہ پر ذی صلاحیت نوجوانوں کی تربیت کا ادارہ بھی قائم ہو سکتا ہے اور فکری اصلاح کے لئے تحقیقات اور ریسرچ کے کام بھی انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

ہم اس موقع پر تمام دینی حس رکھنے والے مسلمانوں اور خاص طور پر علمائے کرام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت اور عند اللہ اپنی ذمہ داریوں پر غور کریں اور تمام بے جا قسم کی خود داریوں اور گروہی تعصبات و منافرات سے بالاتر ہو کر اسلام کے بقا و تحفظ کی راہیں سوچیں۔

کراچی میں ماہنامہ 'میثاق'
کے سول ایجنٹ

عوامی کتب خانہ۔ بولٹن مارکیٹ

ہم سے طلب فرمائیے

(۱)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختصر ترین مگر جامع ترین کتاب

النبی الخاتم

تالیف: مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

سائز: ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ ، صفحات: ۱۸۰

کاغذ سفید ، قیمت ۳/- روپے

(۲)

تصانیف: علامہ سید محمود احمد عباسی

حقیقت خلافت و ملوکیت

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف

"خلافت و ملوکیت" کا مسکت جواب

مستند تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

سائز ۲۲ × ۳۶ / ۱۶ ، صفحات: ۲۸۰ مجلد

قیمت قسم اول سفید کاغذ مع ڈسٹ کور ۱۰/- روپے

" دوم ، نیوز پرنٹ ، ۷/۵۰ "

تحقیق مزید

بسلسلہ

خلافت معاویہؓ و یزید

سائز: ۲۲ × ۳۶ / ۱۶

صفحات: ۵۰۴

نیوز پیپر

قیمت: ۸/- روپے

(۳)

انوارِ مجددی

یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چیدہ چیدہ مکتوبات، سلیس اور شگفتہ ترجمہ مع تعارف مکتوب الیہم و حواشی مفیدہ

از میجر شیخ یوسف سلیم چشتی

سائز ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ ، صفحات ۲۸۴ ، مجلد مع ڈسٹ کور۔ قیمت: چار روپے صرف

دار الاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

اسلامی تحقیق

اس کے معنی، مدعا اور دائرہ کار

(۲)

میکانکی تحقیق کی ایک نئی قسم

جو لوگ اسلام کی محبت سے بے نصیب ہو کر دل ہی دل میں غیر اسلامی نظریات کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ ان کی اس خواہش نے کہ اسلامی قوانین کو بدل دینا چاہیئے، پاکستان میں ایک نئی قسم کی میکانکی تحقیق کو جنم دیا ہے جسے بہت سے مسلمان غلطی سے اسلامی تحقیق سمجھتے ہیں۔ پہلے اس بات کی خواہش کرنا کہ اسلامی قوانین کو غیر اسلامی نظریات کی سمت میں بدل دیا جائے اور پھر اس خواہش کی تکمیل کے لئے موافق حالات پیدا کرنے کی غرض سے ایسی صحافتی قسم کی کتابیں تیار کرنا جن میں ہمارے علماء متقدمین و متاخرین کے موجودہ علمی ذخیروں کو بلکہ قرآن اور حدیث کے ترجموں کو بھی ایک نئی ترتیب، نئی زبان اور نئے معنی کا لباس یا جامہ پہنا دیا گیا ہو جو اس خواہش سے مطابقت رکھتا ہو، ایک ایسا عمل ہے جسے ہم ایک خاص مقصد سے انجام دی ہوئی میکانکی قسم کی کتاب سازی تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسلامی تحقیق کا نام نہیں دے سکتے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ اصل اور حقیقی اسلام کی علمی، عقلی اور حکیمانہ بنیادوں کو دریافت کیا جائے اور واضح کیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ اس اسلام کو بدل دیا جائے اور جس حد تک بھی ممکن ہو، غیر اسلامی نظریات اور ان کے تصورات سے قریب تر لایا جائے تاکہ ان نظریات کے چاہنے والوں کو اسلام سے مطمئن کیا جا سکے۔ لیکن اس قسم کی میکانکی تحقیق کا شوق رکھنے والے اس بات کو فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ جن نظریات سے توافق کی آرزو رکھتے ہیں وہ خود ناپائدار ہیں اور اپنا کوئی مستقبل نہیں رکھتے اور صرف ایک ہی نظریہ حیات یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ تا قیامت زندہ اور قائم رہے اور وہ وہی اسلام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں چھوڑا تھا اور جس پر صحابہؓ نے عمل کیا تھا۔ اس قسم کی میکانکی تحقیق کے مقصد اور طریق کار سے آشکار ہے کہ اسے انجام دینے کے لئے کسی بڑی علمی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ چونکہ غیر اسلامی نظریات کے تصورات کی طرف جھکنا اور اسلام کی بجائے ان کی حمایت خود کرنا اور دوسروں کو ان کی حمایت پر آمادہ کرنا ایک لاشعوری عمل ہوتا ہے۔ جو لوگ اس عمل کا شکار بنتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے اسلام

کی ایک نہایت ہی حیرت انگیز، اچھوتی اور دل کش تشریح دریافت کرلی ہے اور وہ اسے پیش کرکے اسلام کو بچانے اور ہر دلعزیز بنانے کی ایک نہایت ہی بے نظیر خدمت بجا لا رہے جو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

علمائے متقدمین کی اسلامی تحقیق ہمارے زمانہ کے چیلنج کا جواب نہیں بن سکتی

بعض مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ اسلام کی سائنسی اور حکیمانہ تشریح جس کی ہمیں اس زمانہ میں ضرورت ہے، شاہ ولی اللہ، امام غزالی اور دوسرے متقدم ائمہ دین کی اسلامی تحقیق کے اندر پہلے سے ہی موجود ہے اور اب ہمیں اسلام کی مزید کسی علمی تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ ان بڑے بڑے ائمہ اور فضلا کی اسلامی تحقیق خواہ ان کے اپنے زمانہ کے علمی چیلنج کے جواب کے طور پر کیسی ہی گراں قدر اور کارآمد کیوں نہ ثابت ہوتی ہو تاہم وہ جس صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے ہماری اس کوشش میں کہ ہم اسلام کی طرف سے اس زمانہ کے علمی چیلنج کا کافی اور شافی جواب مہیا کریں ہماری ذرا بھی مدد نہیں کرسکتی۔ اس زمانہ کے حکیمانہ تصورات اور نظریات جو اسلام سے ٹکراتے ہیں اور جن کی تردید پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔ مثلاً مارکسزم، ڈاروِنزم، فرائڈزم، ایڈلرزم، میکڈوگلزم، بی ہیویرزم، لاجیکل پازیٹوزم، سپنگلرزم، ٹائن بیزم وغیرہ جو عصر حاضر کی مخصوص علمی فضا کی پیداوار ہیں اپنی نوعیت، معیار اور طرز استدلال کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارے بڑے بڑے متقدمین علما اور فضلا ان سے قطعی طور پر ناآشنا تھے۔ لہٰذا یہ خیال کرنا کہ وہ اپنی کتابوں میں ان کی تردید مہیا کرچکے ہیں حد درجہ کی سادگی ہے۔ چونکہ ہم ہی ان سے واقف ہوئے ہیں لہٰذا اسلام کی مدافعت کرنے اور اس کے علمی اور عقلی مقام کو بلند رکھنے کے لئے ان کی تردید بہم پہنچانا ہمارا ہی کام ہے۔ ہر دور کا علمی چیلنج مختلف ہوتا ہے اور اس کا جواب ان ہی مسلمانوں کو دینا ہوتا ہے جو اس دور میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اس چیلنج کا سامنا کررہے ہوں۔

اس بات کے علاوہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اسلامی تحقیق کے فاضل کا کام نہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کرے اور ان کو غلط ثابت کرے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے صحیح فلسفیانہ تصورات کی مدد سے جو صحیح ہونے کی وجہ سے لازماً اس کی تائید کریں گے، اسلام کو عقلی اور علمی لحاظ سے زیادہ دل کش، زیادہ مضبوط اور زیادہ یقینی بنائے۔ جس طرح سے اس دور کے غلط فلسفیانہ تصورات صرف اسی سے مخصوص ہیں۔ اسی طرح سے وہ صحیح فلسفیانہ تصورات بھی جو اس زمانہ میں آشکار ہوتے ہیں اسی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ یہ ثانی الذکر تصورات اول الذکر تصورات میں اس طرح سے دبے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جواہرات۔ جب تک ہم نے کوڑے کرکٹ کو برباد نہ کیا ہم نئے جواہرات تک نہیں پہنچ سکتے۔ غرض ہمیں اس زمانہ میں اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو نہ صرف اس لئے انجام دینا پڑے گا کہ ہم نئے علمی کوڑے کرکٹ کو برباد کرنا چاہتے ہیں بلکہ

اس لئے بھی کہ ہم نئے علمی جواہرات کو جو اس میں پڑے ہیں اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔

غلط فلسفیانہ تصورات کی اُن تردیدوں کے نقائص جو اب تک پیش کی گئی ہیں

پھر شاید یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں بھی کئی علمائے اسلام عصر حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات کی تردید مہیا کرنے کی کوشش کرچکے ہیں۔ لیکن ان تمام تردیدوں کا مشترک نقص یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے ایسے مطالعہ پر مبنی نہیں جو مخالفت کے جذبہ سے الگ ہو کر منصفانہ اور ہمدردانہ طور پر کیا گیا ہو لہٰذا وہ اُن کی صحیح اور مکمل واقفیت پر قائم نہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے سوالات پیدا کرتی ہیں جن کا جواب نہیں دیتیں اور حقیقت انسان و کائنات کے بہت سے مسلمہ اور درست حقائق کو اپنے پیش کئے ہوئے قرآنی نظریہ کائنات کے ساتھ منطبق نہیں کرتیں اور ایک بگڑی ہوئی صورت میں بدستور غیر اسلامی نظریات کے ساتھ منسلک رہنے دیتی ہیں، لہٰذا وہ تشنہ اور نامکمل اور ناتمام سی رہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کا علمی اور عقلی معیار دورِ حاضر کے مسلمہ علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق نہیں اور وہ فلسفیانہ استدلال اور حکیمانہ تشریح اور تفسیر کے رائج الوقت طریق اور تکنیک کی پیروی نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے غیر مسلم ماننے والوں اور مسلمان ہمدردوں کو قائل نہیں کرسکتیں اور لہٰذا بالکل بے اثر اور بیکار ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو خوش کیا جائے جو زمانہ کے علمی چیلنج سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کو کام میں لا کر اس چیلنج کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور حکمت اسلام کے اس علم سے مطمئن ہیں جو اس وقت تک میسر ہے اور غیر مسلموں کے سامنے پوری طرح سے پایہ ثبوت تک پہنچانے کے بغیر اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ماضی اور مستقبل کے تمام فلسفوں سے زیادہ معقول اور مدلل ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے ایسے مکمل نظام حکمت کے بغیر جو کائنات کے تمام معلوم اور مسلم اور درست حقائق کو تسلیم کرتا اور واضح کرتا ہو کوئی چیز بھی ان حکیمانہ تصورات کا مکمل، مستقل اور یقینی پرزور جواب نہیں بن سکتی جو اس وقت ہمارے دین کی بنیادوں کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں۔

اسلامی تحقیق کے فن کی تعلیم اور تربیت ضروری ہے

شاید یہ بھی کہا جائے کہ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی ایسے ائمہ دین جنہوں نے اسلام پر قیمتی تحقیقی اور تخلیقی کام کیا ہے نادر شخصیتیں تھیں جن میں اس قسم کے کام کی غیر معمولی خداداد صلاحیتیں تھیں اور ہمارے لئے یہ مشکل ہوگا کہ ہم اسلام پر اعلیٰ معیار کا اصلی تحقیقی کام جس کی ہمیں اس وقت ضرورت ہے ایسے عالموں کی خدمات کے ذریعہ سے حاصل کرسکیں جو ہمارے بہترین دماغ ہونے کے باوجود قدرت کی عطا کی ہوئی تحقیقی قابلیتوں سے بہرہ ور نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں میرا مؤدبانہ التماس یہ ہے کہ ہر قوم میں ایسے افراد کافی تعداد میں

ہوتے ہیں جن کو قدرت نے ہر قسم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہوتا ہے لیکن ان کی صلاحیتیں بالعموم مخفی رہتی ہیں خواہ قوم کو ان کی صلاحیتوں کی کیسی ہی شدید ضرورت کیوں نہ ہو۔ جب تک کوئی صلاحیتوں کا مالک اتفاقاً ایسے حالات میں رہنے کا موقعہ نہ پائے جو ان کے مکمل اظہار اور نشوونما کے لئے خاص طور پر سازگار ہوں اس وقت تک وہ آشکار نہیں ہوتیں۔ سینکڑوں شاہ ولی اللہ اور غزالی ایسے ہوں گے جو سازگار حالات نہ پانے کی وجہ سے شاہ ولی اللہ اور غزالی نہیں بن سکے۔ اگر ہم بہت سے ذہین اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلام دوست نوجوانوں کو ایسے حالات مہیا کریں۔ جو اسلامی تحقیق کی قابلیتوں کی نشوونما کے لئے موافق ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے چند نہایت عمدگی اور کامیابی کے ساتھ اسلامی تحقیق کا وہ کام انجام نہ دے سکیں جس کے بغیر ہماری بقا خطرہ میں ہے۔

اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری علمی قابلیتیں

چونکہ اسلامی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ دورِ حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات اور تصورات نے اسلام کو جو چیلنج دے رکھا ہے اس کا تسلی بخش جواب مہیا کیا جائے۔ لہٰذا جدید فلسفیانہ تصورات کا علم اور قدیم اور جدید فلسفیانہ طرزِ استدلال کی واقفیت اور مہارت اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری قابلیتیں شمار ہوں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم مثلاً طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات سے ایک عام واقفیت رکھتا ہو۔ بالخصوص ان علوم کی ان ترقیوں سے جو اس بیسویں صدی میں رونما ہوئی ہیں یہاں تک آشنا ہو کہ ان کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج کو سمجھ کر کام میں لاسکے۔ سائنس کی واقفیت سے اسے ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ وہ سائنسی طریق تحقیق اور طریق بیان کو سمجھنے کی وجہ سے اپنی طرزِ تحریر کو معقولیت اور پختگی کے سانچوں میں ڈھال سکے گا۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسے کم از کم تحریری عربی زبان کی درجہ اول کی واقفیت حاصل ہونی چاہیئے کیونکہ یہ اس کی بنیادی ضرورت ہے اس کے بغیر وہ قرآن اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالب اور مضامین تک براہ راست دسترس نہیں پا سکتا۔ ایک اور خصوصیت جو اس کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت رکھتا ہو اور اس کی عائد کی ہوئی اخلاقی اور دینی پابندیوں کو بطیبِ خاطر قبول کرتا ہو۔

وہ شخص جو ایک فلسفی کی تربیت، مہارت اور بصیرت سے بے بہرہ ہو اور آج تک کے تمام فلسفیانہ تصورات اور سائنس کے تازہ انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات کی پوری واقفیت نہ رکھتا ہو۔ خواہ اسے قرآن اور حدیث اور فقہ اور علمائے متقدمین کی تمام کتابیں ازبر ہوں وہ اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو مطلقاً انجام نہیں دے سکتا۔

ظاہر ہے کہ ایسی قابلیتوں کے افراد پوری تعداد میں اور بآسانی میسر نہیں آسکتے۔ لہٰذا ضروری ہے ہمارے ملک کا کوئی اسلامی تحقیق کا ادارہ کسی ایک فاضل کی راہ نمائی میں جو دوسروں سے زیادہ ان قابلیتوں کا مالک ہو، ہر سال چند موزوں تعلیم یافتہ افراد میں خاص تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ان قابلیتوں کو پیدا کرے تاکہ اسلامی تحقیق کا کام

خاطر خواہ طریق سے جاری رہ سکے۔ ان افراد کو معقول تنخواہیں دی جائیں اور تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد ماہر تحقیق اسلامی کی معتبر سندیں دی جائیں۔

تحقیق اسلامی کی تعلیم وتربیت کے ضروری نقاط

اسلامی تحقیق کے راہ نما فاضل کو چاہیئے کہ ہر فاضل پر جو اس کے زیر تربیت ہے۔ دوران تربیت میں اچھی طرح سے واضح کر دے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ :-

(۱) قرآن حکیم کی روح سے پوری طرح واقفیت پیدا کرے۔ اگر وہ قرآن کی روح سے واقف نہیں ہوگا تو اس کے لئے ناممکن ہوگا کہ وہ غلط فلسفیانہ تصورات کو صحیح فلسفیانہ تصورات سے تمیز کر سکے۔ اس کے سارے تحقیقی اور تخلیقی کام کی اہمیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آیا وہ غلط تصورات کو صحیح تصورات سے تمیز کر سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اسے اپنے وقت کا بہت سا حصہ قرآن اور حدیث اور سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و صحابہ اور امت کے علماء و صوفیا کی سوانح حیات کے مطالعہ میں صرف کرنا ہوگا۔

(۲) ان فلسفیانہ نظریات اور تصورات سے پوری پوری واقفیت پیدا کرے جو اسلامی نظریہ انسان و کائنات سے مغایرت رکھتے ہیں اور جن کو اسے غلط اور بے بنیاد ثابت کرنا ہے۔

اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان نظریات اور تصورات کے اصلی ماخذ کا براہ راست اور ہمدردانہ مطالعہ کرے۔ جب تک ہم کسی کامیاب اور بڑے فلسفی کے افکار کا مطالعہ ہمدردانہ نقطہ نگاہ سے نہ کریں ہم اس کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور جب تک ہم اسے ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اس کی غلطیوں کو آشکار نہیں کر سکتے۔

(۳) دورِ حاضر کے فلسفیانہ نظریات اور جدید سائنسی انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج سے مکمل واقفیت پیدا کرے۔

(۴) اپنی تحقیق کے نتائج کو ضبط تحریر میں لاتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھے کہ دنیا بھر میں چوٹی کے غیر مسلم علما اور حکما اس کے مخاطب ہیں کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ زیر تحقیق علمی مسائل پر ایسے خالصۃً سائنسی اور غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے بحث کر سکے گا جو غیر مسلم اور مسلمان دونوں کے لئے یقین افروز ہو۔

(۵) اس بات کی کوشش کرے کہ جس غلط تصور کو وہ غلط ثابت کر رہا ہے اس کی جگہ صحیح تصور کو رکھے۔ اور یہ صحیح تصور جس قدر سوالات پیدا کر رہا ہو ان سب کا تسلی بخش جواب دے۔ فلسفیانہ مسائل میں ایک منفی نقطہ نظر یقین پیدا نہیں کر سکتا۔ لیکن جب کسی صحیح تصور کے پیدا کئے ہوئے تمام سوالات کا جواب دیا جائے تو ایک مکمل فلسفہ کائنات وجود میں آجاتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ غلط تصور جس کی جگہ یہ صحیح تصور لے رہا ہے کسی اور غلط فلسفہ کائنات کا جزو ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل صحیح فلسفہ پیدا نہ کرے وہ کسی غلط فلسفیانہ تصور کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

مثال کے طور پر جب تک کہ وہ ایک ایسا اسلامی فلسفۂ تاریخ پیدا نہ کرے جو عقلی اور علمی لحاظ سے مکمل طور پر قابل قبول ہو وہ بے خدا اشتراکی فلسفۂ تاریخ کا ابطال نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کا یہ اسلامی فلسفۂ تاریخ بہت سے سوالات پیدا کرے گا جو اس کو فلسفہ کے اور مسائل میں کھینچ لائیں گے اور اگر وہ ان سوالات کا بھی جواب دے گا جیسا کہ اُسے ضرور دینا چاہیئے تو پھر اس کا فلسفۂ تاریخ محض ایک فلسفۂ تاریخ ہی نہیں رہے گا بلکہ کائنات کا ایک مکمل فلسفہ بن جائے گا۔ اسی طرح سے جب تک کہ وہ عمل ارتقا کے سبب کا کوئی ایسا فلسفہ مہیا نہ کرے جو قرآن کے نظریۂ انسان و کائنات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو اور علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے مکمل طور پر تسلی بخش بھی ہو اس وقت تک وہ ڈارون کے بے خدا میکانکی نظریۂ کائنات کی کامیاب تردید نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کے قرآنی نظریۂ تاریخ کی طرح اس کا قرآنی نظریۂ ارتقا بھی بہت سے سوالات پیدا کرے گا جن کا جواب ایک مکمل فلسفۂ کائنات کی صورت اختیار کرے گا۔

(۶) جب وہ کسی غلط نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو درست قرار دے کر ان کی مدد سے تو کسی دوسرے نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو غلط قرار نہ دے اسی طرح سے جب وہ کسی صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے تو پھر کسی دوسرے صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے ان کو صحیح قرار نہ دے اور پھر جب وہ کسی غلط تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے تو کسی اور تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو درست قرار نہ دے۔ اس کے برعکس اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر تصور کے بارہ میں ایک ہی موقف پر قائم رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی تصور کے درست یا نادرست ہونے کے بارہ میں وہ ایک ایسا موقف اختیار کرے جس سے وہ ہر حالت میں وابستہ رہ سکتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لے کہ مختلف غلط نظریات اور تصورات کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش وہ کرے گا وہ اسی صورت میں بے خطا اور کامیاب ہوگی جب وہ ان سب کی تردید کے لئے صرف ایک ہی نظریہ کائنات کو جو فی الحقیقت صحیح اور قرآنی نظریہ کائنات ہی ہوگا کام میں لائے گا۔ اس صورت میں اس کے اسلامی نظریہ تاریخ کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات اور اس کے نظریہ ارتقا کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات جن کا ذکر اوپر الگ الگ کیا ہے دونوں ایک دوسرے سے ذرہ بھر مختلف نہیں ہوں گے بلکہ دونوں ایک ہی ہوں گے۔

صحیح فلسفہ کائنات صرف ایک ہے اور وہ اسلام کا فلسفہ کائنات ہے

اسلام کے ضمن میں جب فلسفہ کا ذکر آتا ہے تو بعض مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال بہت بڑی غلطی ہے۔ حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن مجید حکمت کی کتاب ہے اور حکیم خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ فلسفی صداقت کی تلاش کرتا ہے کیونکہ صداقت کے اندر ہی یہ صلاحیت

ہے کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو اور درست ثابت کی جا سکے۔ فلسفی صداقت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور اسے صداقت نہیں ملتی۔ لیکن خدا تو بات ہی وہ کہتا ہے جو از سرتا پا صداقت اور حق ہوتی ہے (وقولہ الحق) لہذا اگر خدا کی بات حکمت نہیں تو اور کس بات کی حکمت ہے۔ پھر فلسفی کائنات کے بھید کو تلاش کرتا ہے اور اسے نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے فکر اور استدلال میں غلطیاں کرتا ہے۔ لیکن خدا وہ ہے جو کائنات کے بھید کو جانتا ہے۔ وہ دوسرے فلسفیوں کی طرح سر کائنات سے ناآشنا نہیں کہ اس کی بات سچی اور بے خطا حکمت نہ ہو۔ اسی بنا پر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بات سچی ہے۔ (قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموت والارض) قرآن حکیم مجمل حکمت کائنات ہے اور اس کی تفصیل اور تشریح بھی جو تا قیامت ہوتی رہے گی حکمت کائنات ہے۔ یہی تشریح اور تفسیر کتاب یا حکمت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سکھایا (یعلمھم الکتاب والحکمۃ) اور جسے خدا کے دوسرے بندے بھی جنہیں خیر کثیر عطا ہوتی تا قیامت سکھاتے رہیں گے (ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا) اور جسے تبلیغ دین کے لئے کام میں لانے کا حکم دیا گیا ہے (ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ) ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک فلسفہ صحیح ہے اور باقی سب فلسفے غلط ہیں اور صحیح فلسفہ وہ ہے جو قرآن حکیم پر مبنی ہو اور جو خدا کے عقیدہ سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدہ پر ختم ہو۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اسلام ایک فلسفہ نہیں تو وہ دور حاضر کے غلط فلسفوں کا جواب نہیں دے سکتا اور مسلمان ان غلط فلسفوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کو ساتھ لے کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت نہیں کر سکتے اور باطل فلسفوں کے پرستاروں کو مشرف بہ اسلام نہیں بنا سکتے۔ لیکن قرآن تو نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ کرے۔ جب ہم ایک معمولی آدمی سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں جو علم اور عقل کے معیاروں پر درست بیٹھتی ہو تو کیا خدا جو بات کرتا ہے اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے۔ اگر خدا کی بات ان علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق ہے جو انسان کے دل میں رکھے گئے ہیں تو پھر ان معیاروں کے مطابق خدا کی بات کھول کر بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہے جو اس زمانہ کے باطل نظریات کا جواب ہے اور ہمارے ایمان کا محافظ اور ہمارے ظن و شک کا علاج ہے

حکمت دنیا فزاید ظن و شک
حکمت دینی برد فوق فلک (رومی)

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا فراہیؒ

تفاسیر

التکمیل فی اصول التاویل (عربی) سائز ۲۶×۲۰/۸
صفحات ۸۲، طباعت ٹائپ : قیمت ۳ر۵۰ روپے
دلائل النظام (عربی) سائز ۲۶×۲۰/۸ صفحات ۱۳۲
طباعت ٹائپ، کاغذ عمدہ سفید : قیمت ۴ر۵۰ روپے

مقدمہ تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ)	〃		۰ر۹۰	〃
تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	〃	〃	۰ر۸۵	〃
〃 سورۂ قیامہ	〃	〃	۰ر۶۰	〃
〃 〃 والشمس	〃	〃	۰ر۵۰	〃
〃 〃 فیل	〃	〃	۱ر۰۰	〃
〃 〃 ذاریات	〃	〃	۱ر۳۰	〃
〃 〃 مرسلات	〃	〃	۰ر۶۰	〃
〃 〃 والتین	〃	〃	۰ر۷۰	〃
〃 〃 کوثر	〃	〃	۱ر۱۰	〃
〃 〃 لہب	〃	〃	۰ر۷۰	〃
〃 〃 تحریم	〃	〃	۰ر۷۰	〃
〃 〃 عبس	〃	〃	۰ر۷۰	〃
〃 〃 والعصر	〃	〃	۰ر۶۰	〃
〃 〃 کافرون	〃	〃	۰ر۴۵	〃
〃 〃 اخلاص	〃	〃	۰ر۴۵	〃
اقسام القرآن	〃	〃	۱ر۳۰	〃
ذبیح کون ہے؟	〃	〃	۱ر۷۰	〃

لغت و ادب

اسباق النحو
حصہ اوّل : ۱ر۴۰ روپے
حصہ دوم : ۱ر۰۰ 〃

امثال آصف الحکیم
قیمت : ۱ر۳۵ 〃

جمہرۃ البلاغہ
قیمت : ۱ر۵۰ 〃

مفردات القرآن
قیمت : ۱ر۴۰ 〃

دیوان عربی
قیمت : ۱ر۵۰ 〃

نوائے پہلوی
(دیوان فارسی)
قیمت : ۴ر۰۰ 〃

دارالاشاعت الاسلامیہ اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور ۲
فون نمبر ۶۹۵۲۲

فلسفہ و علم کلام

مذہب اور فلسفہ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

[مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کو عام لوگ بھی محض شارح اقبالؒ ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں اور قارئین 'میثاق' بھی تاحال ان سے صرف اس حیثیت سے متعارف ہیں کہ انہوں نے تصوّف اسلامی کا وسیع و عمیق مطالعہ کیا ہے ——— حالانکہ تصوّف سے پروفیسر صاحب کی دلچسپی بہت بعد میں شروع ہوئی۔ ان کا پرانا اور اصل موضوع فلسفۂ قدیم و جدید اور علم کلام ہے اور انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں اور بیشتر اوقات ان ہی کی دشت پیمائی میں صرف کئے ہیں۔

سنہ ۳۰ء کے آس پاس پروفیسر صاحب نے تاریخ فلسفہ پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جس کی صرف جلد اوّل مشتمل بر 'فلسفۂ قدیم' بالاقساط بعض علمی جرائد مثلاً 'نگاریں' اور 'ادبی دنیا' میں شائع ہو سکی تھی۔ کتابی صورت میں طبع ہونا اسے بھی نصیب نہ ہوا۔ رہیں بقیہ دو جلدیں یعنی 'فلسفۂ ازمنۂ وسطیٰ' اور 'فلسفۂ جدیدہ' تو وہ تو تاحال مسودات ہی کی صورت میں ہیں جن کے بوسیدہ اوراق لیقیناً ہر کچھ مصنّف کی محنت و مشقت کا منہ چڑاتے ہیں اور کچھ ابنائے نوع کی ناقدری کا گلہ کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت زبان حال سے اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ 'صلاحیتوں' کا بروئے کار آنا 'مواقع' کے حصول پر منحصر ہے ——— اور ان سب کا سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ بقول حضرت اکبرؒ ؎

یہ عزم کہ سعی سے وہ ساز ہو کیونکر؟ | اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر؟
اسباب کرے جمع خدا ہی کا ہے یہ کام! | طالب ہو خدا سے تو دعا ہی کا ہے یہ کام!
بے طاعت و نیکی نہیں تاثیر دعا کچھ! | آنے کی نہیں کام یہاں حرص و ہوا کچھ!

اپنی اس ضخیم کتاب کے لئے جو مقدمہ پروفیسر صاحب نے تحریر فرمایا تھا اس کا ایک جزو قارئین 'میثاق' کی خدمت میں پیش ہے جس میں پروفیسر صاحب نے مذہب اور فلسفے کے مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز دونوں

امور کو نہایت جامعیت اور حیرت انگیز اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے ——— اس تحریر کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ مسلمان قوم کے ذوقِ علمی کی کمی اور اصحابِ علم کی ناقدری پر کہ جس شخص کا قلم آج سے چالیس سال قبل ایسی جامع و مانع تحریروں کے موتی بکھیر رہا تھا وہ آج بالکل کس مپرسی کے عالم میں گوشہ گمنامی میں پڑا ضعیفی اور خصوصاً ضعفِ اعصاب سے پنجہ آزمائی کر رہا ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ اہلِ علم اور اصحابِ فن کی اسی ناقدری کی سزا اس قوم کو یہ مل رہی ہے کہ علم کا بازار بالکل سرد ہو چکا ہے اور فکر کے میدان میں خاک اڑ رہی ہے اور روپے پیسے کی پوجا، لیلٰی دفتر کی سیوا اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی دھن کے سوا کسی کو کوئی سودا ہی نہیں رہا۔

پروفیسر صاحب تو اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان سمجھتے ہیں، لیکن راقم کے نزدیک یہ اُن کی سعادت اور قارئینِ 'میثاق' کی خوش قسمتی ہے کہ آج سے دو ڈھائی سال قبل راقم کی ملاقات ان سے ہو گئی تو ان کے مسودات کے بحرِ ناپید کنار سے کچھ موتیوں کے نکل آنے کی صورت نکلی۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب پر ان کا مبسوط مقالہ قارئینِ 'میثاق' ہی سے نہیں، برصغیر کی چوٹی کی علمی شخصیتوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے ——— اور اب تصوفِ اسلامی کی اصل تاریخ جو انہوں نے اس فن کی امہاتِ کتب کے براہِ راست مطالعہ سے مرتب کی ہے بالاقساط شائع ہو رہی ہے ——— آئندہ ان شاء اللہ فلسفہ اور علمِ کلام کے موضوعات پر بھی ان کی چیدہ چیدہ تحریریں شائع کی جاتی رہیں گی ——— [اسرار احمد]

فلسفہ اور مذہب میں نہایت شدید تعلق پایا جاتا ہے۔ لیکن اُس کی نوعیت اس تعلق سے مختلف ہے جو فلسفہ اور سائنس میں متحقق ہو چکا ہے۔ فلسفہ، کائنات کو، بمقابلہ سائنس، زیادہ وضاحت اور کمال کے ساتھ سمجھنا چاہتا ہے۔ لیکن مذہب، کائنات کے شیون مختلفہ میں ان دونوں سے بڑھ کر وحدت کا رنگ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر فلسفہ کی کوشش تمام تر یہی ہے کہ ہمیں کائنات کا کوئی تخیل ایسا مل جائے جس کی بدولت ہم اس کی غرض و غایت سے آگاہ ہو جائیں تو مذہب خود انسان اور کائنات میں ہم آہنگی اور توافق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ فلسفہ کا مقصد یہ ہے کہ حوادث و مظاہرِ کائنات کی نوعیت و ماہیت بلحاظ مکان و زمان متحقق کی جائے۔ اور دراصل فلسفہ، حقائقِ اشیا کے سائنٹیفک علم کا دوسرا نام ہے۔ لیکن مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس عالمِ کون و مکاں میں، طمانیت کی زندگی بسر کرنے کے اصولوں سے آگاہ ہو جائے اور کائنات کو اپنا خادم بنائے۔ فلسفہ، ذات و صفاتِ خداوندی سے بحث کرتا ہے۔ لیکن مذہب ذات و صفات پر اس قدر زور نہیں دیتا جس قدر اس کی مرضی کے دریافت کرنے پر۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مذہب میں ذات و صفات کی بحث نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے۔ لیکن جس بات پر مذہب میں زور دیا جاتا ہے وہ

صفات کے متعلق عقلی موشگافیاں نہیں ہیں بلکہ اس کے احکام اور اس کی خوشنودی کی راہوں کا علم ہے۔ ایک مذہبی آدمی کے لئے یہ بات کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ان امور سے بھی واقف ہو جن پر غور و فکر کرنے میں متکلمین[1] نے اپنی عمریں صرف کر دی ہیں۔ مثلاً خدا مشخص[2] ہے یا غیر مشخص، واجب الوجود[3] ہے یا ممکن الوجود، معلوم[4] الکنہ ہے یا مجہول الکنہ، اس کی ذات و صفات میں باہم تعلق کیا ہے۔ صفاتِ خداوندی عین[5] ذات ہیں یا غیر۔ ان باتوں کا تعلق فلسفہ سے ہے، نہ کہ مذہب سے۔ چنانچہ تمام بانیانِ مذاہب نے ان امور کے متعلق خاموشی اختیار کی اور ان بحثوں میں اپنے متبعین کو نہیں الجھایا۔ اس کے بالمقابل مذہب نے یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ پاک ہے، نیک ہے، نیکی کو پسند کرتا ہے اور فلاں فلاں باتوں کی پابندی کرنے سے وہ خوش ہوتا ہے اور فلاں فلاں امور پر عمل کرنے سے ایک انسان خدا کے ساتھ تعلقِ قلبی پیدا کر سکتا ہے۔ فلسفہ صرف خدا کی صفات میں بحث کرنے اور ان کی تعیین پر اکتفا کرتا ہے۔ مذہب، انسان کو ان صفات کا علم دے کر یہ تلقین کرتا ہے کہ حتی الامکان ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرو۔ لیکن اس امتیاز سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فلسفہ اور مذہب میں منافرت ہے یا ایک فلسفی پابندِ مذہب نہیں ہو سکتا یا ایک مذہبی آدمی فلسفی نہیں بن سکتا۔ جس طرح سچا فلسفہ اور سچا سائنس دونوں ہم آہنگ ہیں اسی طرح سچے مذہب اور سچے فلسفہ میں بھی کوئی منافرت نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر مذہب میں حقائق و معارف کے بجائے مہمل روایات، بے سروپا افسانے یا علم الاوثان[6] کی جلوہ فرمائی ہو جائے تو بے شک "مذہب" اور "فلسفہ" میں تطبیق نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہر ارتقا یافتہ مذہب، اصولِ حیات کے علاوہ خدا کی ذات وصفات کے متعلق بھی اپنے متبعین کو کم و بیش آگاہی دیتا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام نے انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے۔ وہ آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سارا زور جن امور پر ہے وہ یہ ہیں کہ خدا ربّ العالمین، رحمان رحیم، مالک یوم الدین اور سرچشمۂ فضل و کرم ہے۔ ایک فلسفی کو اس بات سے کوئی علاقہ نہیں کہ خدا انسان کے گناہ معاف فرما سکتا ہے یا نہیں؟ وہ تو صرف اس امر پر غور و فکر کرتا ہے کہ تعدد و وحدانیت[7] ممکن ہے یا محال۔ ایک مذہبی آدمی کو اس سے کوئی

[1] متکلم و متکلمین جو علم کلام جانتا ہو۔ علم کلام وہ علم ہے جس کی بنا پر مذہب اور فلسفہ میں تطبیق کی جاتی ہے۔

[2] PERSONAL

[3] جس کا موجود ہونا عقلی لحاظ سے ضروری ہو اور جس کا نہ ہونا ناممکن ہو۔ ممکن الوجود اس کی ضد ہے۔ انسان ممکن الوجود ہے۔

[4] یعنی کیا اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

[5] یعنی اس کی ذات اور صفات میں امتیاز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ [6] MYTHOLOGY

[7] یعنی واجب الوجود ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

تعلق نہیں کہ واحد حقیقی[1] سے دو معلول سرزد ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ وہ تو شبانہ روز اس بات کے درپے ہے کہ کھڑے، بیٹھے خدا کو یاد کرتا رہے۔

الغرض "فلسفہ" اور "مذہب" میں تعلق ہے مگر دونوں کا نقطۂ نگاہ مختلف ہے۔ "خدا" سے دونوں ہی بحث کرتے ہیں لیکن لائحۂ عمل جداگانہ ہے۔ فلسفی محض بے تعلق ہو کر عقلی طور سے خدا کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مذہبی آدمی (خدا پرست) فلسفی سے ایک قدم آگے بڑھتا ہے (وہ بھی معلومات حاصل کرتا ہے) لیکن معلومات کو واسطہ فیما بین بنا کر خدا سے تعلق روحانی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

کائنات کب پیدا ہوئی، کیونکر پیدا ہوئی، مادّہ حادث ہے یا قدیم، خدا بالواسطہ خالق ہے یا بلا واسطہ؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سوالات فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک مذہبی آدمی کائنات کو مخلوق تسلیم کر کے اس سے اپنا رشتہ متعین کرنا چاہتا ہے۔ اور جس طرح فلسفہ کا نصب العین یہ ہے کہ حقائق اشیاء کو بے نقاب کرے اسی طرح مذہب کا نصب العین یہ ہے کہ کائنات کو انسان کا خادم اور انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرے۔ چنانچہ پروفیسر جی ٹی لیڈ[2] نے ہبٹ جرنل[3] جلد دہم میں ایک مبسوط مقالہ اسی بحث پر سپردِ قلم کیا تھا کہ جمیع مظاہر کائنات انسان کے فائدے کے لئے بنائے گئے ہیں۔

بعضوں کا خیال ہے کہ مذہب کا مقصد یا فرض منصبی یہ ہے کہ انسان کو ان اصولوں کی تلقین کرے جن کی بنا پر وہ اس دنیا میں ہر شے کو اپنا سمجھے اور سب سے مل جل کر رہ سکے۔ جس طرح کوئی اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن فلسفہ اور سائنس کا مقصد بھی یہی ہے اور اس کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان کو اشیائے کائنات کا جس قدر وسیع علم حاصل ہوگا اسی قدر یگانگت اور بے تکلفی کے ساتھ وہ اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے سائنس اور فلسفہ کے علاوہ (تقریباً) تمام مذاہب نے بھی اپنے متبعین کو علم حاصل کرنے کی تاکید کی ہے کیونکہ علم ہی وہ جوہر اور نعمت ہے جو انسان کو اس کائنات کا حاکم بنا سکتا ہے اور یوں بھی ہم جس حد تک کسی شے سے واقف ہوں گے اسی حد تک اس شے سے مانوس یا متنفر ہوں گے اور انس ہو یا تنفر، دونوں صورتوں میں اجنبیت اور مغایرت کی بو دور ہو جائے گی۔ مذہب اس مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتا ہے کیونکہ وہ انسان اور قوائے فطرت میں ایک شخصی تعلق پیدا کر دیتا ہے۔

فلسفہ، سائنس اور مذہب، جیسا کہ ناظرین اوراق ہذا پر اب روشن ہو گیا ہوگا، اس لحاظ سے تینوں ایک

[1] واحد حقیقی سے مراد وہ ذات ہو جو ہر لحاظ سے واحد ہو جس کے درمیانی واسطہ یا دو چیزوں کے درمیان رشتہ

[2] PROF G.T. LADD مشہور امریکن پروفیسر آف سائیکالوجی جن کی تصنیف کردہ پرنسپلز آف سائیکالوجی ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔

[3] انگلستان کا مشہور سہ ماہی رسالہ جس میں مذہب اور فلسفہ کے متعلق بیش بہا مضامین ہوتے ہیں۔

ہیں کہ تینوں کا مقصد یہی ہے کہ معمائے کائنات کو کسی صورت سے حل کیا جائے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ تینوں کی غرض و غایت جداگانہ ہے۔ سائنس کی غرض و غایت محض یہ ہے کہ چند اصول یا نظریے قائم ہو جائیں یا محض معلومات کی خاطر کائنات کا علم حاصل ہو جائے اور وہ علم اقتصادی اور معاشرتی ضرورتوں میں کارآمد ہو سکے۔ فلسفی کی غرض و غایت اس سے قدرے مختلف ہے۔ فلسفی جویائے حکمت کو کہتے ہیں اور وہ علم کو محض علم کی خاطر حاصل کرتا ہے۔ علاوہ بریں جن الجھنوں اور عقلی دشواریوں میں وہ مبتلا ہوتا ہے ان سے نجات دینا فلسفہ ہی کا کام ہے لہٰذا فلسفہ کی غرض یہ ہے کہ انسان کو ذہنی سکون اور عقلی سرور حاصل ہو۔ مذہب کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کو طمانیتِ قلبی اور نجاتِ اخروی حاصل ہو جائے اس کے خیالات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے اور خیالات اور مظاہر کائنات میں توافق و توازن قائم ہو جائے۔ گویا فلسفہ اور مذہب کے مباحث قریب قریب ایک ہی قسم کے ہیں۔ مثلاً روح یا نفس ناطقہ، خدا اور تخلیق عالم وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کے مقاصد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مختلف ہیں۔ فلسفہ کو اگر مباحث سے دلچسپی ہے تو نظری اور عقلی زاویہ نگاہ سے، لیکن مذہب کو اگر دلچسپی ہے تو جذباتی اور عملی نقطۂ خیال سے۔

مذہبی عقائد پر فلسفہ کا اثر

اکثر و بیشتر حلقوں میں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ فلسفہ کے مطالعہ کا اثر ہمارے مذہبی عقائد پر کیا ہوگا؟ مجھے اس امر کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جو مذہب معقولیت پر مبنی ہے اس کو فلسفہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ ایسے مذہب کا متبع فلسفہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے مذہبی عقائد میں پختہ تر ہو جائے گا۔ چنانچہ بیکن لکھتا ہے "اگرچہ تھوڑا سا فلسفہ پڑھ کر آدمی خدا کے انکار کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس سمندر کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں ان کا اعتقاد خدا کی ہستی پر نہایت مضبوط ہو جاتا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ سچا فلسفہ، سچے مذہب کا خادم ہے اور مذہب کے جملہ بنیادی اصولوں کی تائید کرتا ہے اور اس کے مطالعہ سے ہمارے عقائد میں استواری پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک مذہبی آدمی خدا کی ہستی پر بغیر دلیل کے ایمان رکھتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس کے دل میں شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو بآسانی کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ خدا پرست اپنے اس عقیدہ کا فلسفہ کی روشنی میں مطالعہ کر چکا ہے تو کسی ملحد کا وار اس پر نہیں چل سکتا۔ علاوہ بریں اس کو اپنے معتقدات کی صحت پر ایمان قلبی غور و فکر ہی سے پیدا ہو سکتا ہے اور اسی غور و فکر کا نام فلسفہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ ابتدائی مذاہب مختلفہ نے، مختلف زمانوں میں فلسفہ کی مخالفت کی اور بیخ کنی پر کمر باندھی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ جن لوگوں نے ایسا کیا انہوں نے یا تو مذہب کی حقیقت کو نہیں سمجھا، یا ان کے مذہب میں ایسی اصولی خامیاں تھیں جن کے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے انہوں نے عقل و حکمت کا چراغ گل کرنا چاہا۔ ورنہ بقول سرسید[1] اگر مذہب اور عقل دونوں خدا کی طرف سے ہیں تو ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

[1] ۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء۔ علی گڑھ کالج کے بانی، مسلمانانِ ہند کے لئے ان کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

اسی طرح جو فلسفی یہ چاہتے ہیں کہ "مذہب" کا وجود دنیا سے معدوم ہو جائے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ بعض لوگوں نے بھی "مذہب" کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ہمارے زمانہ میں علی الخصوص یہ خیال ترقی پذیر ہے کہ سائنس اور فلسفہ کے مقابلے میں "مذہب" کو شکست ہو چکی ہے اور اب مذہب چند روز کا مہمان ہے۔ اس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اگر "مذہب" کو محض رسوم و روایات قرار دیا جائے اور اگر مذہب نام ہے بلا سمجھے بوجھے ایمان لے آنے کا، یا اگر "مذہب" کی تعریف یہ ہو کہ وہ ہم کو عقل سلیم کے استعمال سے باز رکھتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ "مذہب" کے دن پورے ہو چکے۔ کیونکہ اب جیسا کہ سب کو معلوم ہے عقل و حکمت کا دور ہے تاریکی کا دور ہو چکا ہے۔ ہدایت اور ضلالت متمیز ہو گئی ہیں اور انسانی طبائع منافیِ عقل امور کو مدار یقین بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

لیکن اس کے برعکس اگر مذہب ان حقائق سے عبارت ہے جو عقلاً ثابت ہیں اور جن کی صحت کی شہادت "صحیفۂ فطرت" کی جانب سے مل سکتی ہے، یعنی اگر مذہب بجائے چند رسوم کا پابند بنانے کے یا چند خلافِ عقل امور پر ایمان لانے کے بنی نوعِ آدم کو ایسا دستورِ العمل عطا کرتا ہے جو ان کی زندگی کے ہر شعبے میں مفید اور کار آمد ہو، ان میں اخلاقِ حسنہ پیدا کرے اور عقلی، اخلاقی اور روحانی طور سے روز بروز ارفع اور اعلیٰ کرتا جائے تو نہ ایسے مذہب کو فلسفہ سے کسی قسم کا خوف ہو سکتا ہے اور نہ وہ زمین سے مٹ سکتا ہے اور جو مذہب اس درجہ معقول ہو کہ قدم قدم پر اپنے متبعین کو "عقل" سے کام لینے کی تلقین کرے اسے "فلسفہ" سے خوف ہو بھی کس طرح سکتا ہے؟

بہرحال "مذہب" صفحۂ ہستی سے معدوم نہیں ہو سکتا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ انسان محض سائنٹیفک علوم کی بنا پر اس باطنی تعلق کی تشریح نہیں کر سکتا جو اسے حقائقِ کائنات کے ساتھ ہے کیونکہ انسان محض حیوانِ عقلی ہی نہیں ہے جو جزئیات علوم سے آگاہ ہو کر مطمئن ہو سکے۔ گو عقلی یا ذہنی تعلق اجزائے حقیقت کے ساتھ ہے اور بے شک سائنٹیفک علوم کی مدد سے متحقق ہو سکتا ہے لیکن "باطنی" تعلق ان علوم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ انسان میں علاوہ عقل کے جذبات اور احساسات بھی پائے جاتے ہیں اور علوم عقلیہ انسان کی فطرت کے اس پہلو کو تشفی نہیں دے سکتے بلکہ جو چیز انسان کی فطرت کے اس پہلو کو تسلی دے سکتی ہے وہ مذہب اور صرف مذہب ہے۔ جب انسان مظاہرِ کائنات اور حقائقِ تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے دل میں مرتبۂ کمال پر پہنچنے کا "جذبہ" موجزن ہوتا ہے وہ اس کائنات کے نظم و نسق کو دیکھتا ہے اور گرد و پیش کے واقعات کو مشاہدہ کر کے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ دنیا بیکار اور بے فائدہ نہیں بنائی گئی بلکہ اس کی تخلیق میں ایک خاص مقصد پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صانعِ کائنات سے روحانی تعلق پیدا کرے جو خیر و خوبی کا سرچشمہ ہے اور جس کی ہستی کا ثبوت کائنات کے ذرہ ذرہ سے بہم پہنچ رہا ہے چنانچہ سعدیؒ نے اس نکتے کو ایک شعر میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے:-

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست ز معرفتِ کردگار

تاریخ تصوف اسلامی

بابِ وصف الکبر

(۳)

ماخوذ از کتاب الرعایہ تالیف حضرت حارث المحاسبیؒ

ترجمہ: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

تکبر کی دوسری قسم :- دوسری قسم جو آپس میں بندوں کے درمیان ہے، وہ ایک دوسرے پر برتری کا اظہار ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپس میں برتری کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد دو خصلتیں ہیں۔ ایک خصلت بندوں کے ساتھ حقارت سے پیش آنا ہے اور ان سے نفرت کرنا ہے۔ متکبر یہ سمجھتا ہے کہ میں ان سے برتر ہوں وہ انہیں نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ ایک شخص حق کو قبول کرنے کے بجائے اسے حق بات بتانے والے کی طرف لوٹا دے حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بات حق ہے تو اگر اہل حق میں سے کسی دینی بات کو کہتا ہے یا کوئی بات سے روکتا ہے یا دین کے مسائل میں گفتگو کرتا ہے تو اپنے منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے وہ اسے رد کر دیتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ بات حق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا ہے

"[illegible] انہوں نے انکار کیا ظلم اور تکبر کی راہ سے حالانکہ وہ دل میں انکا یقین کئے ہوئے تھے۔

نیز فرمایا کہ جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو نہ سمجھا بلکہ اس کا انکار کیا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ اپنا فضل ظاہر کیا جائے اور دوسروں کی تحقیر کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کا حال یوں بیان کیا ہے:

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا [illegible] يہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے (سنانے کے وقت) غل مچا

فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ " دیا کرو شاید تم غالب آ جاؤ۔ (۴۱ - ۲۶)

متکبر کو ہر وقت عزت حاصل کرنے کی خواہش دامن گیر رہتی ہے اور متکبر وہ عزت حاصل کرنے کے لئے وہ ہمیشہ حق کو رد کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

" وَ اِذَا قِیْلَ لَـہُ اتَّقِ اللّٰہَ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف

اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ " کر تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے (۲ - ۲۰۶)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو فرمایا " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے امر بالمعروف کیا تو اسے قتل کر دیا گیا، اور فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو عوام میں عدل کا حکم کرتے ہیں۔ جو شخص متکبر ہوتا ہے وہ اس شخص کو قتل کر ڈالتا ہے جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی وجہ تکبر ہوتی ہے۔ باری تعالےٰ کا ارشاد دیکھو :

" وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ اور جب تم کسی پر دار وگیر کرتے ہو تو بالکل

جَبَّارِیْنَ " (۲۶ - ۱۳۰) ظالم بن کر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کو گنہگار ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہ یہ جواب دے کہ تم اپنی خبر لو، تم مجھ سے یہ بات کہتے ہو۔"

ایک شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کی قدرت نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا " لا استطعت " یعنی تجھے کبھی قدرت نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو تکبر نے میری بات ماننے سے روک دیا۔" راوی کہتا ہے ——— کہ اس کے بعد واقعی اس شخص کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اپنے منہ تک اپنا ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ نیز یہ روایت سلمہ ابن الاکوعؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کو ذلیل اور حقیر جانتا ہے یا کسی حق بات کو رد کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے تو اس نے اپنے اور خلق کے درمیان والا تکبر اختیار کیا۔ اور کبھی یہی تکبر جو بندے اور دوسری مخلوق کے درمیان ہوتا ہے، انسان کو اپنے اور باری تعالےٰ کے درمیان والے تکبر تک پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ ابلیس کے طرز عمل سے ظاہر ہے۔

ابن عجلان فرماتے ہیں کہ ابلیس نے صرف اتنی سی بات کہی تھی کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ پس جب اس کی یہ رائے ہوئی کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو اس نے تکبر اختیار کیا کہ میں کیسے سجدہ کر سکتا ہوں، حالانکہ وہ

جانتا تھا کہ یہی ہلاکت کی بات ہے کیونکہ اس نے باری تعالےٰ کے حکم کو رد کر دیا، چنانچہ اس نے نافرمانی کرتے ہوئے " لا اسجد لہ " کہا (میں اسے سجدہ نہیں کروں گا) اس فعل کا سبب تکبر تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں آدم سے برتر ہوں۔ کیونکہ میری اصل آگ ہے اور آدم کی اصل مٹی ہے اور آگ مٹی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ مٹی کو کھا جاتی ہے۔ ابلیس کی اس غلط فہمی کی وجہ یہ تھی کہ وہ باری تعالےٰ کی ذات کو نہ پہچان سکا اور آدم سے نفرت کرتا تھا۔ آدم کے مقابلے میں تکبر نے اسے اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے باری تعالےٰ کی نافرمانی کی۔ اس بناء پر وہ کافر ہو گیا اور باری تعالےٰ نے اسے لعین قرار دے دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو آپؐ نے ثابت بن قیس بن شماسؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا، اس تمام کیفیت کا جامع ہے۔ حضرت ثابتؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ مجھے جمال محبوب ہے کیا یہ کبر کی علامت ہے؟ آپؐ نے فرمایا " نہیں۔ کبر اس بات کا نام ہے جو کہ حق تعالےٰ کے مقابلے میں ہو اور انسان دوسروں کو حقیر جانے " دوسری حدیث میں مضمون یہی ہے مگر الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

پس جو شخص تکبر اختیار کرے اور حق تعالےٰ کا حکم قبول کرنے میں ناک بھوں چڑھائے اور اس بات سے بچنا چاہے کہ حق تعالےٰ کی اطاعت میں اپنے کو ذلیل اور خاضع بنائے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کر لی جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور جس شخص نے یہ سمجھا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کو حقیر جانتے ہوئے حق بات کو رد کر دیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات حق ہے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کی جو اپنے اور بندوں کے درمیان ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کبر کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو عظیم المرتبت جانے، بندوں کو حقیر اور ذلیل جانے اور حق کو جان لینے کے بعد رد کر دے۔ یہ تکبر کی تمام اقسام کو جامع ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ تکبر کون سا ہے جو خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے وہ دین کے امور میں علم اور عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ علم کی جہت سے تو اس طرح کہ جب عالم اپنے علم سے خوش ہوتا ہے تو یہ خوشی اسے تکبر تک لے جاتی ہے پس وہ عوام کے مقابلے میں تکبر کرنے لگتا ہے حالانکہ یہ ممکن ہے کہ عوام میں بعض لوگ اس سے زیادہ متقی ہوں اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے اشارہ فرمایا کہ مجھے علماء کے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ مبادا علم کی وجہ سے ان میں تکبر پیدا ہو جائے پس علماء کو لازم ہے کہ متعلم کے سامنے تواضع اختیار کریں اور جابر علماء میں شامل نہ ہوں، کیونکہ خدا کے نزدیک تمہارا علم تمہارے جہل کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا (مطلب یہ ہے کہ خواہ انسان کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو پھر بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ نہیں جانتا)

پس جب ایک عالم تکبر کرتا ہے اور جو لوگ علم میں اس سے کمتر ہیں، انہیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے، اُن سے دور رہتا ہے، انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے، ان سے خادموں کی طرح خدمت لیتا ہے، تعلیم پر احسان جتاتا ہے، ان کے مقابلے میں بڑا بنتا ہے۔ اُن سے کشیدہ رہتا ہے تاکہ وہ اُسے سلام کریں، اُن کا مذاق اڑاتا ہے، اگر وہ اس کی تعظیم میں کوتاہی کریں تو اُن سے ناراض ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی اصل وجہ تکبر ہے یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی تعظیم کریں۔ تکبر ہی کی وجہ سے مناظرے میں فریق مخالف کی حق بات کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے منطقی بحثوں میں الجھا دیتا ہے۔ اگر کبھی وعظ کرتا ہے تو لوگوں پر تشدد کرتا ہے اور اگر کوئی اسے نصیحت کرے تو تکبر ہی کی بنا پر غضب ناک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاذؓ نے یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمائی ہے کہ "علماء میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وعظ کہتے ہیں تو ناک چڑھا کر کہتے ہیں اور اگر انہیں نصیحت کی جائے تو تشدد پر اتر آتے ہیں، اور اگر ان کے حق میں کمی ہو جائے یا ان کی بات رد کر دی تو غضب ناک ہو جاتے ہیں۔"

اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ علماء کے سات طبقے ہیں کیونکہ عالم یہ سمجھتا ہے کہ میں عوام سے برتر ہوں اور عوام مجھ سے کمتر ہیں۔ وہ عوام کی بات قبول نہیں کرتا نہ ان کی نصیحت قبول کرتا ہے، انہیں صلاح دینے یا وعظ میں نرمی برتنے سے شرم محسوس کرتا ہے، اور ان کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے بات نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک عوام اس جیسے نہیں ہیں۔ وہ انہیں بھی حقیر سمجھتا ہے جو تقوے میں اس سے کمتر ہیں اور انہیں بھی جو تقوے میں اس سے برتر ہیں۔ انہیں ایسی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جیسے وہ گدھے ہوں جن کو عقل نہیں ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میرا علم اس قدر ارفع ہے کہ عوام اس کے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے اور اگر کوئی شخص اس کے علم سے فائدہ حاصل کرے تو بھی اسے حقیر ہی سمجھتا ہے۔

یہ سب باتیں اس بنا پر پیدا ہوتی ہیں کہ متکبّر جاہل باللہ ہوتا ہے اور عوام اُس سے زیادہ عالم باللہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ عالم کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر عالم ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ (عالم متکبر) خود ذلیل ہے اور وہ (عوام) سربلند ہیں جو تواضع اختیار کئے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو! باری تعالیٰ اسی کو حقیر کر دیتا ہے جو تکبر کرتا ہے اور اسے سربلند کر دیتا ہے جو تواضع اختیار کرتا ہے۔ یہ شخص عوام کو حقیر جانتے ہوئے تکبر کرتا ہے یعنی اپنے علم پر فخر کرتا ہے اور انہیں ان کی جہالت پر عار دلاتا ہے، ان کے حقوق تلف کرتا ہے، ان پر احسان جتاتا ہے، پس یہ شخص اپنے علم کے اعتبار سے جبار ہے اور متواضع نہیں ہے۔

ان علماء میں بعض ایسے ہیں جو ان عادتوں میں سے بعض عادتوں   بچتے ہیں اور بعض عادتوں

کی وجہ سے تکبر اختیار کئے رہتے ہیں تو جسے علم میں سے کچھ بھی عنایت ہوا ہو اُسے اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ تکبر کی کیفیت پیش آ ہی جاتی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جو اپنے علم کے بارے میں انتہائی درجے کا تکبر اختیار کرتے ہیں۔

میں نے کہا: "علم تو بندے میں تواضع بڑھاتا ہے لیکن اس تصریح سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علم جہالت اور تکبر میں اضافہ کر دیتا ہے۔" انہوں نے جواب دیا کہ علم کی حالت ایسی ہے جیسی حضرت وہب کے اس قول سے عیاں ہے کہ علم بارش کی طرح ہے کہ آسمان سے تو صاف اور میٹھا پانی اترتا ہے اور سب درخت اس پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر تمام درخت اس پانی کو اُسی ذائقے پر لے آتے ہیں جو اُن کا ذاتی ذائقہ ہوتا ہے۔

چنانچہ جو درخت کڑوا ہوتا ہے اس کی تلخی بڑھ جاتی ہے اور جو میٹھا ہوتا ہے اس کی مٹھاس بڑھ جاتی ہے۔ بارش کی تری شیریں درخت میں شیریں پانی پیدا کر دیتی ہے اور تلخ درخت میں تلخ پانی۔ اسی طرح لوگ علم حاصل کرتے ہیں تو علم ان کی ہمتوں اور خواہشات کی مقدار میں اضافہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا متکبر کا تکبر اور بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی طبیعت پہلے ہی سے تکبر کی طرف مائل اور متوجہ تھی۔ ایسا شخص در اصل جاہل ہے۔ جب اس نے علم حاصل کیا تو گویا وہ سامان حاصل کیا جس سے وہ تکبر کر سکے تو لامحالہ اس میں تکبر ہی پیدا ہوگا لیکن ایک جاہل شخص جو خدا سے ڈرتا ہو اور جانتا ہو کہ حق تعالیٰ کی حجت بندے پر لازم ہوتی ہے چاہے وہ یہ کہتا رہے کہ میں واقف نہ تھا، تو جب وہ اس ڈر سے علم حاصل کرتا ہے تو اس کا علم اس کے خوف میں اضافہ کر دے گا اور اس میں دردمندی پیدا ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ جس کے علم میں اضافہ ہوگا اس میں دردمندی اور بڑھ جائے گی کیونکہ اس کے نزدیک باری تعالیٰ کی حجت عظیم ہے۔ اس لیے اس کی تواضع اور خشیت میں اضافہ ہو جائے گا۔

اور اگر اس کی توجہ اور خواہش، دنیاوی عزت اور عظمت حاصل کرنی تھی تو علم سے تکبر ہی بڑھے گا اور وہ اپنے سے کمتر لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اس کی خواہش ہمیشہ یہی ہوگی کہ میں دوسروں پر غالب رہوں اس لئے اپنی جیسی اور اپنے سے بہتر سب باتوں کا رد کرے گا۔

میں نے عرض کی کہ عمل کرنے والے شخص کو تکبر کی کیا کیا چیزیں پیش آتی ہیں خواہ وہ عالم ہو یا نہ ہو۔ فرمایا اسے یہ چیزیں پیش آتی ہیں کہ وہ اس شخص کو جو عمل میں اس سے کمتر ہو ذلیل سمجھنے لگتا ہے چاہے وہ اس سے زیادہ عالم ہو یا اس سے زیادہ جاہل ہو۔ اگر اس سے زیادہ جاہل ہے تو یہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ یہ شخص تو اپنے اوقات رائیگاں جانے دیتا ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ عالم ہو تو اپنے دل میں سوچتا

سے کہ اُس کے ذمے خدا کے احکام زیادہ ہیں لیکن وہ عمل رائگاں جانے دیتا ہے۔ یہ شخص بھی ان لوگوں کو جو عمل میں کمتر ہوتے ہیں حقیر جانتا ہے، اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، ان کے سامنے تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ ان سے کشیدہ رہتا ہے تاکہ وہ لوگ اسے سلام کریں، اس کی عزت کریں اور اُسے بڑا سمجھیں۔ یہ شخص نہ سلام میں سبقت کرتا ہے نہ کسی سے ملنے جاتا ہے۔ دوسرے لوگ خود اُس سے ملنے آجائیں تو آجائیں جب وہ بیمار پڑتا ہے تو دوسرے لوگ اس کی مزاج پرسی کے لئے اس کے پاس آتے ہیں مگر جب وہ بیمار پڑتے ہیں تو یہ ان کی مزاج پرسی کے لئے کبھی نہیں جاتا۔ گویا یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی فضیلت کو قائم رکھے۔ یہ شخص دوسروں کو جب چاہتا ہے جھڑک دیتا ہے اور ان سے اپنی خدمت لیتا ہے جو لوگ اس کے پاس آتے ہیں اُن پر اپنی علمیت کا سکہ جماتا ہے اور در پردہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھاتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو بلحاظ عمل دوسروں سے ارفع سمجھتا ہے اور وہ لوگ اس کی نظر میں اپنے اوقات ضائع کر رہے ہیں۔ یہ شخص اگر کسی کو سلام کرنے میں سبقت کرے یا کسی سے سیدھے منہ بات کرے یا کسی کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے مجالست کرے یا کسی کی دعوت قبول کرے یا کسی سے محبت آمیز لہجے میں بات کرے تو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے دوسروں پر احسان کیا ہے اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ اپنے حق میں خدا سے وہ امیدیں رکھتا ہے جو دوسروں کے لیے نہیں رکھتا۔ ان کے حق میں خدا کی گرفت کا زیادہ خوف رکھتا ہے اور اپنے حق میں بہت کم خوف رکھتا ہے۔ جب وہ دوسروں کو دیکھتا ہے یا دوسرے اُسے یاد آتے ہیں یا دوسروں کو نصیحت کرتا ہے تو اپنے بارے میں اُسے کوئی اندیشہ ہی نہیں ہوتا۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ڈرنا تو دوسروں ہی کو چاہیئے (کیونکہ وہ اعمال میں کمتر ہیں) اُسے اپنے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ گویا اسے اس بات کا پروانہ مل گیا ہے کہ اسے عذاب نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ اطمینان ہی سب سے زیادہ وجہ ہلاکت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم کسی سے یہ سنو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو دراصل اسی شخص نے لوگوں کو برباد کیا اور بلاشبہ آپؐ کا یہ ارشاد سچا ہے کیونکہ یہ بات وہی کہے گا جو متکبر ہے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر سمجھتا ہے۔ خدا کی گرفت سے بے خبر ہے اور اس سے بے خوف ہے۔ اس کے تکبر نے اسے ان اخلاق ذمیمہ تک پہنچا دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ایک شخص کے لئے بُرائی کی یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

جب اس کی یہ حالت ہو اور اس سے کمتر لوگوں کی یہ حالت ہو کہ وہ اپنے بارے میں زیادہ خوف

رکھتے ہوں اور اُسے یہ سمجھتے ہوں کہ یہ تو واقعی نجات پانے والا ہے اور ہم تو واقعی برباد ہو گئے اور انہیں یہ توقع ہو کہ اللہ کے یہاں اس کو ہم سے زیادہ ملے گا تو ایسی صورت میں حقیقت حال یہ بنی کہ اس سے کمتر لوگ اللہ کی زیادہ اطاعت اور عبادت کرنے والے ہوئے اور یہ شخص باری تعالےٰ کے غضب کا اور آخرت میں عذاب الیم کا زیادہ مستحق ہوا۔ یہ شخص اس درجے میں گر گیا کہ باری تعالےٰ اُس سے وہ عمل سلب کرلیں جس کی بنا پر وہ دنیا میں لوگوں پر اپنی بزرگی جتایا کرتا تھا اور اپنی بڑائی بیان کرتا تھا۔ اور یہ لوگ باری تعالےٰ کی رحمت کے مستحق ہو گئے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو حقیر سمجھتے تھے اور تواضع اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس (متکبر) کی تعظیم کرتے تھے اور اُس سے محبت رکھتے تھے اور وہ اُس (متکبر) سے محض اس لئے محبت کرتے تھے کہ اس طرح انہیں اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اگر ان کے دل میں خدا کی محبت اور عظمت نہ ہوتی تو وہ لوگ نہ اس (متکبر) سے محبت کرتے نہ اس کی عزت کرتے۔ پس ان کی محبت محبت الٰہی کی وجہ سے ہوئی اور اس امید پر تھی کہ اس طرح باری تعالےٰ کا قرب حاصل ہوگا تو بلا شبہ ان لوگوں کو حق تعالےٰ اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازیں گے اور عبادت و ریاضت میں اس شخص کے مقام پر پہنچا دیں گے اور یہ شخص اپنے تکبر کی وجہ سے اُس مقام پر پہنچ گیا کہ اس کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے، اور اس کو بدترین حالت میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ خدا تعالےٰ نے اسے عمل صالح کی توفیق دے کر اس پر جو احسان فرمایا تھا اس نے شکر ادا کرنے کے بجائے اس پر تکبر شروع کر دیا اور اپنے مقابلے میں اللہ کے بندوں کو ذلیل سمجھا اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا۔

بلاشبہ اس کی حالت ایسی ہوگی جیسی حضرت شعبیؒ سے منقول ہے اور اسی طرح کا واقعہ ابو الجلاس ایوبؒ سے بھی منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جسے خلیع بنی اسرائیل کہتے تھے (بنی اسرائیل کا نکالا ہوا) یہ شخص ایک عابد کے پاس سے گزرا، دیکھا کہ بادل اس کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں تو راندۂ بنی اسرائیل ہوں اور یہ شخص ان میں عابد اور زاہد ہے۔ اگر میں اس کے قریب بیٹھ جاؤں تو ہو سکتا ہے کہ باری تعالےٰ اس کی وجہ سے مجھ پر بھی رحم فرمائے۔ یہ سوچ کر اس کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ دوسری طرف عابد نے اپنے دل میں کہا کہ میں بنی اسرائیل میں عابد و زاہد شخص ہوں اور یہ شخص تو راندۂ قوم ہے پس کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ شخص میرے پاس بیٹھے۔ یہ خیال کرکے اس نے اس سے کہا "کہ میرے پاس سے اٹھ جا" اس پر اللہ تعالےٰ نے اس عہد کے نبی پر وحی بھیجی کہ ان دونوں کو حکم دیجئے کہ از سر نو عمل شروع کریں۔ فی الحال میں نے اس مردود القوم کی مغفرت کر دی اور اس عابد کا عمل حبط (اکارت) کر دیا۔ اس کے بعد وہ بادل اس مغفور انسان کے سر پر سایہ فگن ہو گیا۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت یہی ہے کہ حق تعالےٰ بندوں سے ان کے دل کی کیفیت چاہتے ہیں۔ اعضاء و جوارح ہمیشہ دلوں کے تابع ہوتے ہیں۔ جب عالم یا عابد تکبر کرنے لگے اور جاہل یا گنہگار تواضع اختیار کرے اور حق تعالےٰ کی ہیبت کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و خوار سمجھے تو حقیقت یہی گنہگار آدمی دل سے اللہ تعالےٰ کا مطیع ہو گیا اور متکبر عالم یا عابد سے بڑھ گیا۔ اسی قبیل سے یہ حدیث یا روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو اپنی قوم کے ایک عابد و زاہد کی خدمت میں گیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا اور کہا کہ "اپنا سر اٹھاؤ" عابد نے جواب دیا کہ "اللہ کی قسم! اللہ تیری بخشش نہیں کرے گا" اس پر اللہ نے وحی بھیجی کہ اے وہ شخص جو میری قسم کھاتا ہے! دراصل تو ایسا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوگی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ عابد کی زبان سے یہ جملہ اس لئے نکلا کہ وہ اپنی نظر میں، اللہ کی بارگاہ میں اپنا مرتبہ بہت بڑا سمجھتا تھا اور یہ گمان کرتا تھا کہ میرے ساتھ بدسلوکی، اللہ کی نگاہ میں اتنا بڑا گناہ ہے کہ کبھی معاف نہیں ہوگا بات یہ ہے کہ رات دن عبادت کی وجہ سے اس عابد میں کبر پیدا ہو گیا تھا۔ کثرت زہد اور کثرت سجود کی وجہ سے اس کی ذات میں دو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ ایک خود پسندی، دوسری تکبر۔ نیز باری تعالےٰ کی قدرت کے بارے میں اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔

اسی طرح وہ شخص ہے جو تکبر میں گرفتار ہو جائے اور بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ایسا شخص اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن بخشش کا حق مجھی کو حاصل ہوگا۔ روایت ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا۔ چند روز کے بعد وہ شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو صحابہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ! ہم نے اسی شخص کا تذکرہ آپؐ سے کیا تھا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: "میں تو اس شخص کے چہرے پر شیطان کے اثرات دیکھتا ہوں۔ اس اثناء میں وہ شخص حضورؐ کے پاس آ پہنچا اور سلام کرکے صحابہؓ کی صف میں بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے شخص! میں خدا کے لئے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تیرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ حاضرین مجلس میں تجھ سے افضل کوئی شخص نہیں ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہؐ بلاشبہ میرے دل میں یہ خیال آیا تھا۔

پس متکبر اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے اور مجھ سے زیادہ نجات کا مستحق اور کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے وہ عوام سے علیحدہ رہتا ہے اور ان کو دیکھ کر منقبض ہو جاتا ہے گویا اپنے اعمال کا ان پر احسان رکھ رہا ہے جیسا کہ حارث بن جزء زبیدیؓ جو حضورؐ کے صحابہؓ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے قُراءؔ میں وہ شخص اچھا لگتا ہے جس کا چہرہ دلکش ہو، مسکراتا ہوا ہو، جس آدمی

سے ملے تو خندہ پیشانی کے ساتھ ملے۔ اور خدا نہ کرے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت ہو جو دوسروں سے بات بھی کریں تو یہ سمجھ کر کریں کہ ان پر احسان کر رہے ہیں۔ اگر باری تعالےٰ کسی شخص سے بھی اس معاملے میں راضی ہوتے تو کبھی اپنے نبی برحق و برگزیدہ (صلعم) سے یہ نہ فرماتے کہ "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ◌ (۱۵-۸۸) اے رسولؐ آپؐ مومنوں کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی کا اظہار کیجئے۔ نیز فرمایا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ج" یہ بھی آپؐ پر اللہ کی رحمت ہے کہ آپؐ مومنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں" (۳-۱۵۹)

نیز حق تعالےٰ نے اپنے اولیاء کا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں، یہ وصف بیان فرمایا ہے۔ "أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ" (۵-۵۴) یعنی وہ مومنوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی سے پیش آتے ہیں (مگر) کافروں کے مقابلہ میں بہت تیز اور سخت ہیں۔

لہٰذا اللہ کے نزدیک اس شخص کا کوئی مرتبہ نہیں ہے جو اس کے بندوں کے مقابلے میں اپنی بڑائی کا اظہار کرے، چاہے وہ عابد ہو یا عالم۔ اور بعض عابدوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو گمراہ بھی ہوتے ہیں اور متکبر بھی، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی ذات و صفات کے متعلق ہم سے زیادہ نہ دوسرا جانتا ہے اور نہ بیان کر سکتا ہے نیز یہ کہ صحیح علم صرف ہمارے پاس ہے اسی لیے ہمارے سوا دوسرے لوگ راہ راست پر نہیں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو توقف کے قائل ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو الفاظ قرآن کے حدوث کے قائل ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو قضا و قدر کی تکذیب کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں دیدار خداوندی کے منکر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں وزن اعمال کے منکر ہیں۔ انہی گمراہ لوگوں میں روافض بھی ہیں، انہی میں مرجیہ ہیں، انہی میں خوارج ہیں، اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو شفاعت کے منکر ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر سب و شتم کرتے ہیں، اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ بفرمائے نص قرآنی وہ بہتان سے بری (پاک دامن) تھیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی بہترین رحمتیں ان کی رُوح پرفتوح پر نازل فرمائے۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں دوسرے گمراہ فرقوں کا بھی ذکر کرتا۔ فی الحال اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ مذکورہ بالا فرقے سب باطل ہیں اور دین حق سے نکل گئے ہیں اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ فرقے اس گمراہی میں مبتلا ہیں کہ اپنے سوا دوسروں کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حق بات کہہ ہی نہیں سکتے اور روئے زمین میں ہمارے سوا کوئی حق پر نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباسؓ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

سے نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت تو کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ کہیں گے کہ ہم سے زیادہ عالم قرآن کون ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے افرادِ اُمت! وہ لوگ تم میں سے ہی ہوں گے اور وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

میں نے عرض کی کہ اس تکبر کی کیا کیفیت ہے جو ریاکاری سے پیدا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ حق بات کو اس شخص پر پلٹ دے جو حق بات کو نظیریں دے کر بیان کر رہا ہو۔ یا کوئی اس کو حکم دیتا ہو اگرچہ وہ اس سے کم ہو یا اس سے بہتر ہو مگر اس مطلع نظر حق کو رد کرنے میں یہ ہوتا ہے کہ مبادا میری غلطی پکڑ لی جائے تو میرا مرتبہ کم ہو جائے گا یا کہیں یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص مجھ پر غالب آگیا۔ تو ریاکاری اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ تکبر کے اخلاق اختیار کرے، اگرچہ وہ اپنے دل میں یہ جانتا ہو کہ جس شخص نے مجھ سے مناظرہ کیا ہے یعنی نظیریں دے کر بات کی ہے یا کوئی حکم دیا ہے ممکن ہے وہ مجھ سے بہتر ہی ہو لیکن وہ نفرت اور غلبۂ ریاکاری کے طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے دل سے بڑائی کے طریق پر نہیں ہے۔

میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسی شکل ہے جس میں کینہ بڑائی (تکبر) کی شان پیدا کر دے؟ فرمایا کہ وہ صورت یہ ہے کہ جس شخص سے آدمی کینہ رکھتا ہو اس بنا پر کہ مثلاً اس نے ظلم کیا ہے یا بُرا بھلا کہا ہے یا جھگڑا کیا ہے تو وہ اس بات میں تکبر کرتا ہے تو اسے سلام کرنے سے جھجکتا ہے اور موقع ملنے پر اس کے حق کو بھی ردّ کر دیتا ہے اور اس کا سبب کینہ ہوتا ہے کہ مبادا لوگ یہ کہیں کہ اُس نے اس کی بات مان لی یا یہ کہیں کہ اس نے اُسے پہلے سلام کر لیا تو عداوت اُسے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ حق کو ردّ کرنے میں تکبر کا اظہار کرے۔ پس کبھی ریا اور کینے سے بھی تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ شخص اپنے دل میں جانتا ہوتا ہے کہ میں ان سے دراصل کمتر ہوں۔

صرف خود پسندی ہی ایسی صفت ہے جس میں تکبر قلبی ہوتا ہے تو یہ شخص دوسروں سے ناک بھوں چڑھا کر بات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ہر اس شخص سے بہتر ہوں جس کے پاس وہ خوبی نہیں ہے جو میرے پاس ہے اور یہ کیفیت دین و دنیا اور علم و عمل سب باتوں کو شامل ہے تو جہاں ایسا شخص دوسروں پر کسی نعمت یا خوبی میں بڑھ جائے گا وہیں عُجب تکبر کا اظہار کرے گا۔ یہ اس کی طبعی جہالت ہو گی اور اس طرح وہ شکر کے مواقع کھو دے گا۔ اسی لئے عابد لوگ اپنے بارے میں اس بات سے مطمئن نہیں ہوتے کیونکہ خود پسندی، عُجب اور تکبر نعمتوں ہی کے راستے سے آتا ہے۔ جب نعمت کثیر اور عظیم ہوتی ہے تو عجب اور تکبر بہت

تیزی سے آتا ہے خصوصاً ان خوبیوں کی وجہ سے جو عوام پر ظاہر ہو جائیں خواہ ان کا تعلق علم سے ہو یا عمل سے، دونوں صورتوں میں تکبر بہت تیزی سے پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح یہ بات وہاں بھی پیدا ہو جاتی ہے جہاں لباس میں نمائش ہو۔ مثلاً کسی شخص نے صوف کا لباس پہن لیا ہو اور وہ اس شخص پر فخر کرنے لگے جو اس لباس میں نہ ہو۔ اسی لیے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ صوف کا لباس پہنتے ہیں ان میں ان لوگوں سے بھی زیادہ تکبر آ جاتا ہے جو ریشم کا لباس پہنتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے سچ فرمائی کیونکہ ریشم پہننے والا جس بڑائی کا اظہار کرتا ہے وہ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس کے پیش نظر صرف اہل دنیا ہی کے مقابلے میں اپنی بڑائی ہوتی ہے اور وہ شخص اہل دین کے مقابلے میں جھکتا ہے۔ لیکن جو شخص صوف کا لباس پہنتا ہے کبھی کبھی اس کے دل میں ریشم کا لباس پہننے والے کو دیکھ کر یہ خیال آ سکتا ہے کہ میں دین کے لحاظ سے اس سے برتر ہوں اور ریشم پہننے والا جب اس کو دیکھے گا تو اپنے اوپر اس کی فضیلت کا قائل ہو جائے گا اور اپنے کو ذلیل سمجھے گا جس کا سبب صالحین کا لباس اور زہد فی الدنیا کے آثار ہوں گے۔

پس خود پسندی اور تکبر ایسے عیب ہیں کہ کوئی صاحب عقل کسی حالت میں بھی ان کی طرف سے بے فکر نہیں ہو سکتا۔ ہر اس بات سے جس کی وجہ سے انسان دوسرے سے نمایاں طور پر برتر معلوم ہونے لگے، اس میں فتنہ اور ابتلاء تیزی سے آنے لگتا ہے۔ اسی بنا پر جب تمیم الدینؓ نے سیدنا حضرت عمرؓ سے وعظ کہنے کی اجازت چاہی تو آپؓ نے انکار فرما دیا اور کہا کہ تم ذبح ہو جاؤ گے (یعنی کبر میں مبتلا ہو جاؤ گے)۔ اسی طرح ایک شخص نے سیدنا عمرؓ سے کہا کہ میں اپنی قوم کا امام ہوں اس لیے مجھے نمازوں کے بعد تذکیر و دعا کی اجازت دی جائے تو آپؓ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہیں تم اتنے نہ پھول جاؤ کہ تمہارا سر ثریا سے جا لگے۔ بات یہی تھی کہ آپ کو اس شخص کے متعلق تکبر کا خدشہ پیدا ہوا۔ حضرت حذیفہؓ نے ایک دن نماز پڑھانے کے بعد لوگوں سے کہا کہ تم اپنے لیے دوسرا امام منتخب کر لو یا الگ الگ نماز پڑھ لو۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہا: میرے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ آج میری قوم میں مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

پس یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کی خصوصی نعمت کسی دوسرے پر ظاہر بھی ہو جائے اور ان میں کبر پیدا نہ ہو۔ صرف وہی شخص اس بلا سے محفوظ رہ سکتا ہے جس پر خدا اپنا فضل نازل کر دے اور اسے صحیح راستے پر چلائے۔ پس اللہ ہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا چاہیئے۔

میں نے عرض کی کہ آپ نے کبر فی الدین کا بیان تو کر دیا، اب یہ بھی بتائیے کہ کبر فی الدنیا کیا ہوتا

ہے؟ فرمایا کبر فی الدنیا یہ ہے کہ حسب و نسب، جمال، طاقت، مال اور اولاد کی کثرت ہو تو انسان کے دل میں کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر حسب و نسب ارفع ہو تو انسان حسب و نسب میں کمتر لوگوں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے چاہے اعمال کے لحاظ سے وہ اس سے برتر ہی کیوں نہ ہوں بعض لوگوں کو حسب و نسب کا غرور اتنا مغرور کر دیتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ عوام ان کے غلام ہیں۔ اس لیے وہ ان لوگوں سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے۔ جب ان سے ملتے ہیں تو ان پر اپنا فخر جتاتے ہیں اور غصے کے وقت انہیں عار دلاتے ہیں۔

سیدنا ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے ایک شخص سے تیز کلامی کی اور میں نے اسے "یا ابن السوداء" (اے کالی عورت کے بیٹے) کہہ کر خطاب کیا۔ یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اے ابو ذرؓ! زیادتی مت کرو۔ بس سفید نسل کے آدمی کو کسی سیاہ نسل کے آدمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ابو ذرؓ کی زبان سے یہ جملہ اس لئے نکلا تھا کہ اس شخص کی ماں کالی تھی اور ان کی ماں گوری تھی پس انہوں نے اپنے آپ کو اس شخص سے بہتر سمجھا۔ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی زبان سے یہ جملہ سن کر میں زمین پر لیٹ گیا اور میں نے اس شخص سے کہا کہ کھڑے ہو کر اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دو تاکہ میرا نفس ذلیل ہو جائے اور میری اصلاح ہو جائے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایک صالح آدمی کو بھی پیش آ سکتی ہے خصوصاً جبکہ وہ غصے کی حالت میں ہو۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس بات سے غیبت بھی ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے دوسرے سے کہا کہ فلاں شخص تو خوزی یا سندی یا نبطی ہے اور اس سے اس کی مراد اس شخص کی تنقیص ہو اور کبھی کبھی ان کلمات میں فخر و عار دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں تجھ سے بہتر ہوں۔ میں فلاں ابن فلاں ہوں اور تو کون ہے، تیرا باپ کون ہے؟ کبھی کہتا ہے کہ تیری یہ جرأت کہ تو مجھ سے بات کرے۔ کبھی کہتا ہے کہ تجھ جیسا آدمی مجھے گھور کر دیکھے۔ کبھی کہتا ہے کہ تو اور میری برابری کرے!

اسی قبیل سے یہ واقعہ بھی ہے کہ دو آدمی حضور انور صلعم کے سامنے فخر کی باتیں کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں، تیری میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ تیری تو ماں کا بھی پتہ نہیں ہے کہ کون تھی۔ یہ سن کر حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمیوں نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے مفاخرت شروع کی۔ ایک نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں اور کہہ کر اپنی نو پشتیں گن دیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی بھیجی کہ آپ اس شخص سے کہہ دیجئے کہ جن نو آدمیوں کا تو نے ذکر کیا ہے وہ سب جہنمی ہیں۔ تو نے ان پر فخر کیا جو دوزخی ہیں (یہ تو کوئی فخر کی بات نہ ہوئی)

اسی قبیل سے جناب رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ لوگوں کو اپنے اُن باپ دادوں پر فخر ہرگز نہیں کرنا چاہیئے جو جہنم کا ایندھن بن گئے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نجاست کے اُن کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو ہر وقت اپنی ناک سے گندگی ہی سونگھتے رہتے ہیں، اور اپنے منہ سے غلاظت ہی چکھتے رہتے ہیں۔ اور اسی قبیل سے حضور انور صلعم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے (از راہ کرم) تم سے زمانہ جاہلیت کی خود پسندی دور فرما دی ہے اس لئے اب تم ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر مت کیا کرو۔

اسی طرح تکبر بالجمال ہوتا ہے کہ انسان اپنے حسن ظاہری پر دوسروں کے مقابلے میں فخر کرتا ہے۔ اور جو لوگ بدصورت ہیں ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ ان کی برائی بیان کرتا ہے، ان کی کمزوریاں گنتا ہے اور اسی قبیل سے یہ روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ دن ایک عورت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُسے دیکھ کر میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ پستہ قد ہے۔ حضور اکرم صلعم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ تم نے اس عورت کی غیبت کی ہے۔ (قارئین آنحضرت صلعم کی ژرف نگاہی اور طرز تربیت پر غور کریں)

اسی طرح طاقت جسمانی کی بناء پر بعض لوگ ضعیفوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی کمزوری پر انہیں عار دلاتے ہیں (مثلاً کہتے ہیں کہ تم آدمی ہو یا مچھر) اور ان کے مقابلے میں اپنی طاقت پر فخر کرتے اور اپنی درازیٔ قد کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طرح مال کی بناء پر بعض لوگ تکبر کا اظہار کرتے ہیں وہ اپنی دولت کی بے جا نمائش کرتے ہیں، اعلیٰ لباس پہن کر اکڑتے ہیں، اپنے اموال پر فخر کرتے ہیں دوسروں کو عار دلاتے ہیں اور اس پر پھولے نہیں سماتے کہ ہمارا لباس سب سے اچھا ہے۔ اسی قبیل سے یہ واقعہ ہے جو حق تعالیٰ نے قارون کے متعلق ارشاد فرمایا

"فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ (۲۸ - ۷۹)

پس وہ لباس فاخرہ پہن کر اپنی قوم کے سامنے ظاہر ہوا۔ اسے دیکھ کر اُن لوگوں نے جو دنیاوی زندگی کے طالب ہیں، کہا کاش ہمیں بھی وہ سب کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے

اسی طرح، انسان اپنی اولاد، خدام اور اہل خاندان کی کثرت پر فخر کرتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے اور مفلسوں، بے اولادوں اور غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس معرفت سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کبر پیدا ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ آپ جن چیزوں کو عجب اور خود پسندی کہتے ہیں انہی کو تکبر بھی کہتے ہیں تو ان دونوں باتوں میں دین اور دنیا کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دین میں تو یہ ہے کہ کبھی بندہ اپنے عمل کو پسند کرتا ہے تو اپنی تعریف کرنے لگتا ہے اور خدا کے احسانات کو بھول جاتا ہے لیکن انسانوں کے مقابلے میں اپنی بڑائی اور برتری کا خیال دل میں نہیں لاتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود پسندی اسے اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا ہے اور ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اس صورت میں وہ متکبر بھی ہو گیا اور معجب (خود پسند) بھی ہو گیا۔

رہا دنیا کا معاملہ تو اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے حسن و جمال، مال، اولاد، خدم و حشم، حسب و نسب اور جسمانی طاقت کو دیکھ کر خوش ہو مگر دوسروں کے مقابلے میں اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے۔ لیکن یہ صورت بہت کم پائی جاتی ہے کہ دنیوی اعتبار سے عجب (خود پسندی) تو آئے مگر تکبر نہ آئے۔ ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی دو چادروں میں اکڑتا پھر رہا تھا۔ اور اسے اپنا آپ بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس روایت میں حضور انور صلعم نے اس کے تبختر (اکڑفوں) کو عجب (خود پسندی) سے تعبیر فرمایا۔

غرض متکبر فی الدین ہو یا متکبر فی الدنیا، بعض ایسی عادتیں اس شخص میں آجاتی ہیں جن کو باری تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔ مثلاً غرور (سرداری) کی محبت، سخن پروری، اپنی بات کی پچ، معمولی آدمی کی سچی بات کو کبھی قبول نہ کرنا، اپنے سے کمتر درجے کے آدمیوں سے حقارت آمیز لہجے میں گفتگو کرنا، ان کی جانب بنظر حقارت دیکھنا، ان کے ساتھ ذلت آمیز برتاؤ کرنا اور ان کو حقیر سمجھ کر ملنا وغیرہ۔

(باب وصف الکبر) ———— (ترجمہ از صفحہ ۲۳۲ تا صفحہ ۲۴۷)

رزق مایحتاج مل ہی جائیگا
خواہشوں میں مختصر ہو جائیے
فقر سے شیطاں ڈراتا ہے اگر
حسبنا اللہ سے نڈر ہو جائیے
— اکبرؔ —

ایک اہم اعلان

ماہنامہ میثاق لاہور

فروری ۶۲ء تا اکتوبر ۶۵ء

'میثاق' جون ۵۹ء میں جاری ہوا تھا اور اولاً اپریل ۶۱ء تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ یہ اس کا 'دورِ اول' تھا جس کے بعد کچھ عرصے تک اس کی اشاعت بند رہی۔ جنوری ۶۲ء میں پرچہ دوبارہ جاری ہوا اور اکتوبر ۶۲ء تک جاری رہا۔ یہ گویا اس کا 'دورِ ثانی' ہوا۔ اس کے بعد پھر ایک تعطل کا وقفہ آیا جس کے بعد ایک نئے انتظام کے تحت مئی ۶۳ء میں میثاق کا 'دورِ ثالث' شروع ہوا جو اکتوبر ۶۵ء تک جاری رہا۔ ان تینوں ادوار میں 'میثاق' مولانا امین احسن اصلاحی کی براہِ راست ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ اس کے بعد پھر ایک تعطل کا وقفہ آیا۔ جس کا خاتمہ جولائی ۶۶ء میں ہوا جبکہ پرچہ مولانا اصلاحی کی سرپرستی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ 'دورِ رابع' بحمداللہ بغیر کسی تعطل یا وقفے کے تاحال جاری ہے۔

'دورِ اول' کے جو شمارے دفتر میں موجود ہیں ان کے مضامین کی فہرست مارچ ۶۶ء کے پرچے میں شائع کر دی گئی تھی۔ 'دورِ رابع' میں سے پہلے ڈیڑھ سال یعنی جولائی ۶۶ء تا دسمبر ۶۷ء کے مضامین کی فہرست دسمبر ۶۷ء کے پرچے میں اور ۶۸ء کے پورے سال کی فہرست مضامین دسمبر ۶۸ء کے پرچے میں شائع کر دی گئی تھیں۔ مذکورہ بالا تینوں فہرستیں اب بھی طلب کی جا سکتی ہیں۔

'دورِ ثانی' اور 'دورِ ثالث' کے اکثر شمارے محدود تعداد میں دفتر میں موجود ہیں۔ ان کے مضامین کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ یہ پرچے ساٹھ پیسے فی پرچہ کے حساب سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اگر مطلوبہ پرچوں کی تعداد کم ہو تو مالیت کے ڈاک کے ٹکٹ ارسال کر دیئے جائیں۔ بصورت دیگر رقم بذریعہ منی آرڈر ارسال کی جانی چاہیے

وی پی پی طلب کر لیا جائے۔ رجسٹری اور وی پی پی کی صورت میں پچاس پیسے مزید بذمہ خریدار ہوں گے۔ عام ڈاک کا خرچہ بذمہ 'میثاق' ہے۔

منیجر 'میثاق' لاہور

فہرست مضامین

★ مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے

- تفسیر تدبر قرآن (i) سورۂ بقرہ از آیت ۱۰۹ تا ختم سورہ
  (ii) سورۂ آل عمران از ابتدا تا آیت ۶۵
- مقالہ 'پاکستان میں خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب'

مارچ و اپریل ۱۹۶۳ء میں اس موضوع پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا مقالہ شائع ہوا اور پھر تین اقساط میں جو اگست، ستمبر اور دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئیں اس کا مدلل جواب دیا گیا۔

- قرآن کی رو سے ترقی کا مفہوم اپریل ۱۹۶۳ء
- نسخ سے متعلق دو سوال جون ۱۹۶۳ء
- غلاف کعبہ کے بارے میں غلط استدلال مئی ۱۹۶۳ء
- حکومت اسلامی کے قیام کی شرط اوّل جون ۱۹۶۳ء
- جمال عبدالناصر اور نعرۂ اتحادِ عرب جولائی ۱۹۶۳ء
- عقاید و عبادات کا تعلق تعمیر سیرت سے، اگست ۱۹۶۳ء
- حلقہ تدبر قرآن ستمبر ۱۹۶۳ء
- بیعت کی شرعی حیثیت اکتوبر ۱۹۶۳ء
- نجمؒ اپنے گھر میں
- مولانا محمد علی مدرسۃ الاصلاح میں جولائی ۱۹۶۵ء
- پاکستان میں دینی تعلیم کا مستقبل محرم ۱۹۶۳ء

★ افادات فراہیؒ

- ایمان فروری ۱۹۶۲ء
- اصول تفسیر، اپریل مئی، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۲ء و مئی، جون ۱۹۶۳ء
- شان نزول، جولائی ۱۹۶۳ء
- شریعت کی بنیاد اور اس کا مقصد، اگست ۱۹۶۳ء
- اصول تشریع، ستمبر ۱۹۶۳ء
- اجماع، اکتوبر ۱۹۶۳ء
- نماز کی حقیقت، نومبر و دسمبر ۱۹۶۳ء
- حکمت صوم و جہاد، جنوری ۱۹۶۴ء
- نبی اور مقام رسالت، فروری ۱۹۶۴ء
- وحی کی حقیقت، مارچ اپریل ۱۹۶۴ء
- عصمت انبیاء، جولائی ۱۹۶۴ء
- معجزہ کی حقیقت، ستمبر ۱۹۶۴ء
- اسالیب قرآن، اگست ۱۹۶۴ء

★ مولانا عبدالغفار حسن کے قلم سے

- مطالعۂ حدیث (i) مسئلہ تصویر قسط ۳ فروری ۱۹۶۲ء
  (ii) حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم، جولائی اگست ۱۹۶۲ء۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۶۲ء
  (iii) مسئلہ متعہ مارچ اپریل ۱۹۶۲ء
- افادات حافظ ابن قیمؒ۔ (i) قرآنی کلمات کی حکیمانہ ترتیب مارچ ۱۹۶۲ء

★ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے قلم سے

- اتباع نفس، فروری و مارچ ۱۹۶۲ء
- اسلام اور انسانی حقوق مئی و جون ۱۹۶۲ء
- احادیث کی جمع و تدوین دسمبر ۱۹۶۴ء
- خبر احاد کی حجیت کا مسئلہ جنوری ۱۹۶۵ء
- قرآن و حدیث کی باہمی نوعیت اپریل ۱۹۶۵ء
- قرآن مجید کی اثر انگیزی جولائی ۱۹۶۵ء

★ خالد مسعود صاحب کے قلم سے

- سائنس کا اعتراف حقیقت فروری ۱۹۶۲ء
- انگریزوں کا جذبۂ انفاق مارچ ۱۹۶۲ء
- ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں اپریل ۱۹۶۲ء
- حقیقت شناس ذہن کی منزل جون ۱۹۶۲ء
- تہذیب مغرب کا ثمرہ، کثرت طلاق جولائی ۱۹۶۲ء
- اسلام میں نظام عائلی کی بنیادیں ستمبر اکتوبر ۱۹۶۲ء
- نبیؐ کا فیضان نظر " "
- سائنس کی بنیادی کمزوریاں مئی ۱۹۶۳ء
- علماء کا فرض جون ۱۹۶۳ء
- سیاست نبویؐ کا ایک اہم پہلو جولائی ۱۹۶۳ء
- جان اور روح کے تقاضے
- خلوص قلب
- دنیاداری کا انجام نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء
- حفاظت قرآن (۵ اقساط) ستمبر و اکتوبر۔ نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء و جنوری و مارچ اپریل ۱۹۶۴ء
- دور حاضر میں اجتہاد کی اسکیم مارچ اپریل ۱۹۶۴ء
- جنوبی افریقہ کے مسلمان نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء
- جمع و ترتیب قرآن سے متعلق شیعی نقطۂ نظر مارچ اپریل ۱۹۶۴ء
- برطانیہ میں مسلمانوں کی حالت جون ۱۹۶۵ء
- انگریزوں کی روایت پرستی فروری مارچ ۱۹۶۵ء

★ متفرق مضامین

- ضبط ولادت کے مسئلے پر ایک نظر۔ محمد اسلم چیمہ اگست ۱۹۶۲ء
- آزادی اور غلامی محمود احمد لودھی "
- اسلامی نظام زندگی کا ارتقاء ڈاکٹر امین حسن صدیقی اکتوبر ۱۹۶۳ء
- ربع خالی کے بدوؤں کا اخلاق تسخیر الحسن ندوی جنوری ۱۹۶۴ء
- قرآن سے بے تعلقی " "
- اللہ پر توکل محمود احمد لودھی فروری "
- [illegible] کے تقاضے " اگست "

• پاکستان میں صدارتی نظام حکومت کے استحکام کی ضرورت	فضل من اللہ	فروری مارچ ۱۹۶۸ء
• جماعت اسلامی کے اندرونی حالات کا عکس	کوثر نیازی	؍؍
• عربی زبان دینی و بین الاقوامی حیثیت سے	حافظ نذر احمد	جون ۱۹۶۸ء
• تاریخ جمع و تدوین قرآن	؍؍	جولائی ؍؍

★ تقریظ و تنقید۔ (ادارہ)

طوفان سے ساحل تک • صراط مستقیم • آسان قرآن • ابن ماجہ اور علم حدیث • بیمہ زندگی اسلامی نقطۂ نظر سے • عیسائی معتقدات اور تعلیم انجیل کی روشنی میں • پیام انسانیت • فقرِ محمدی • اسلامی پیغام کے اولین علمبردار • تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزید • دین اسلام حصہ اوّل • زرنیخس • ISLAM AND THE WORLD • جارحانہ زر پرستی • فسادات جبل پور وساگر • اعجاز القرآن • تجدید ایمان • فرید مسیحؑ • شان محمدؐ • قرآن و بائیبل • حقیقت عبودیت • حضرت عمرو بن العاصؓ • حکمت استخارہ • اعیان الحجاج • نظام صلاح و اصلاح • روح القرآن • ضبط تولید • اسلامی نظریہ حیات • عبقریت محمدؐ • خدمت رسولؐ • تاریخ القرآن • تاریخ الحدیث • ہفت روزہ نداے ملت لکھنؤ (صدیق حسن نمبر) • تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم) • قرآنی حقائق • سنت قرآن کے آئینہ میں • مغربی پاکستان اسمبلی کی بیباک جسارت • پیارے رسولؐ کی پیاری دعائیں • تحقیق قربانی۔ • لسان القرآن • اسلام اور مارکسزم • کیا عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے؟ • انسانیت کا پیغام مشرق و مغرب کے نام • حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ • کال اعلیٰ حقانی۔

جماعت اسلامی

• کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟ • آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟ • قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور • اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی وحال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعت اسلامی — ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر اسرار احمد ایم۔ اے۔ ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی ساہیوال

ضخامت ۲۰۶ صفحات، سائز بڑا۔ طباعت آفسٹ۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت چار روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱

سلسلۂ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۱

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام

از قلم: اسرار احمد

★ فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ★ بنیادی نقطہ نظر ★ عالم اسلام پر مغرب
کی سیاسی و فکری یورش ★ مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل
★ علوم عمرانی کا ارتقاء ★ اسلامی نظام حیات کا تصور اور دسویں صدی
عیسوی کی اسلامی تحریکیں ★ تعبیر کی کوتاہی ★ احیائے اسلام کی شرط
لازم: تجدید ایمان ★ کرنے کا اصل کام ★ عملی اقدامات

مع تائید و توثیق بعنوان
"فکر مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر"
از قلم:۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی

"دونوں مقالے ماہ نامہ 'میثاق'، لاہور میں قسط وار نکل چکے ہیں دونوں کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دونوں فکر انگیز ہیں۔ اور ایک طرف جوش و اخلاص، دوسری طرف دانش و باریک بینی کے مظہر ہیں۔ مرض کی تشخیص اور تدبیر علاج، دونوں میں دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ تشخیص اور علاج اناڑیوں اور عطائیوں کا سا نہیں، رسالہ ہر پڑھے لکھے کے ہاتھ میں جانے کے قابل ہے۔"

مولانا عبدالماجد دریا بادی

صدق جدید۔ ۷ فروری ۱۹۶۹ء

سائز $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۸}$ صفحات ۵۶۔ طباعت آفسٹ، قیمت ایک روپیہ

شائع کردہ

دارالاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کثور روڈ۔ اسلام پورہ۔ (کرشن نگر) لاہور۔ (فون 69522)